ادب کی اُن سرتاج تحریروں کی کشید جو تھکے تھکے
سے بوجھل لمحوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں؛
کرداروں کے مسیحا اور سری ادب کے شہنشاہ
ابن صفی کے سحر آفریں قلم سے عمران کا دلچسپ ناول

دوسری آنکھ

ابن صفی

رحمان صاحب آپے سے باہر ہو رہے تھے... بات ہی کچھ ایسی تھی۔ نالائق اولاد کو گھر سے تو نکالا جا سکتا ہے... لیکن دُوسروں کے ذہنوں سے یہ بات کس طرح نکالی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے پدر بزرگوار ہیں... جاننے والے تو یہی کہتے تھے کہ یہ سعادت اطوار انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب کے فرزند دلبند ہیں... علی عمران نام ہے... اور جیسے کچھ ہیں اسے جاننے کے لیے تو تاریخ سے مدد لی جا سکتی ہے اور [illegible] ہے... ویسے اس وقت رحمان صاحب کے گھر والوں کے تاریخ اور جغرافیے بھی بگڑے ہوئے تھے...

"میں اب اس مردود کو شہر میں ہی نہیں رہنے دوں گا۔" انھوں نے میز پر گھونسا مار کر کہا۔

سب خاموش بیٹھے رہے۔

بیگم صاحبہ کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ ثریا کی آنکھوں میں بھی تشویش کے آثار دیکھے جا سکتے تھے اور اس کی دونوں چچا زاد بہنیں ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"کمبخت دُور رہ کر بھی دردِ سر بنا ہوا ہے... اب اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں رہی کہ یا تو میں ہی رہ جاؤں یا وہ اس شہر سے منہ کالا کرے!"

ثریا ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی بیٹھی۔

"آخر ہوا کیا... ڈیڈی؟"

"پوچھتی ہو ہوا کیا...؟" رحمان صاحب نے پھر میز پر ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "سارے شہر میں بھیک مانگتا پھر رہا ہے..."

"جی... !" وہ سب بیک وقت اچھل پڑے۔

بیگم صاحبہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ جیسے انھیں اسی خبر کا انتظار تھا۔ اسی کے لیے اتنے دنوں سے بھری بیٹھی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو روک رکھے تھے۔ بالآخر بھیک پر دل پر شاید گھونسا سا لگا تھا اور آخر کار بند ٹوٹ ہی گیا تھا۔

رحمان صاحب پوری قوت سے چنگھاڑے۔ "یہی رو رہی ہیں جس نے اسے تباہ کر دیا... تم سب جہنم میں جاؤ...!" وہ اُٹھ کر تیزی سے پیچھے ہٹے تھے۔ کرسی اُلٹ گئی تھی اور پھر وہ زور زور سے پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ بدستور روئے جا رہی تھیں (لیکن ان کے گرد کھڑی ہو گئیں... لیکن شاید ان میں سے کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کہنا چاہیے! ذہن دو اطراف میں بٹ گئے تھے۔ ایک طرف تو عمران کے بارے میں وہ حیرت انگیز خبر اور دُوسری جانب اس خبر سے پیدا ہو جانے والی پریشانی تھی۔ دفعتاً ثریا تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی لائبریری کی طرف بڑھی۔ رحمان صاحب اُدھر ہی گئے تھے۔ شام کی چائے لائبریری ہی میں لگائی جاتی تھی۔

رحمان صاحب لائبریری میں ٹہلتے ہوئے ملے۔ ثریا دروازے ہی پر رُک گئی لیکن رحمان صاحب اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے... اور پھر اس کے بعد ثریا کا خون بھی گرم ہو گیا۔ بیٹی تو آخر انھی کی تھی۔

"ڈیڈی... میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں..." اس نے کچھ دیر بعد [illegible] آواز میں کہا۔

وہ رُک کر اس کی طرف مڑے... اسے گھورتے رہے پھر غرائے۔

"جاؤ یہاں سے... تنہا چھوڑ دو..."

"آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ [illegible] کس طرح [illegible]؟"

رحمان صاحب ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش کھڑے رہے۔

"آپ کو ان کے سامنے یہ بات کہنی چاہیے تھی۔" ثریا پھر بولی۔

"ہوں... تو تم چاہتی ہو کہ میں پاگل ہو جاؤں... اندر ہی اندر گھٹتا رہوں... کیوں... لوگ میرا مضحکہ اُڑاتے ہیں! اس طرح دیکھتے ہیں مجھے جیسے دُنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوں۔ اب وہ کمبخت مجھے ہی خودکشی پر مجبور کر دے گا۔"

"آخر بتائیے بھی تو کیا بات ہے؟"

"اس سے کیا ہوگا... کیا تمھیں اس سے نجات مل جائے گی؟"

"ہو سکتا ہے میں ہی انھیں شہر چھوڑ دینے پر مجبور کر دوں۔"

رحمان صاحب اُسے اس طرح دیکھتے رہے جیسے انھوں نے کسی بچے کے منہ سے کوئی بہت بڑی بات سن لی ہو۔

"یقین کیجیے ڈیڈی... میں غلط نہیں کہہ رہی۔" ثریا نے کہا۔

ویسے اسے خود پر حیرت تھی کہ آج کس طرح کھل کر گفتگو کر رہی ہے رحمان صاحب سے۔

"بیٹھ جاؤ!" رحمان صاحب نے اُسے تھوڑی دیر تک گھورتے رہنے کے بعد ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ثریا نے طویل سانس لی...

رحمان صاحب نے بھی ایک کرسی سنبھال لی تھی اور اب شاید سوچ رہے تھے کہ انھیں بات کہاں سے شروع کرنی چاہیے۔ آخر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "وہ ڈاکٹر داؤد کی لڑکی صالحہ شاید تمہارے ساتھ پڑھتی تھی..."

"داؤد... ڈاکٹر داؤد... انسٹی ٹیوٹ آف سائنٹیفک ریسرچ کے ڈائریکٹر جنرل!"

"ہاں... وہی!"

"جی ہاں... صالحہ سے تو اب بھی ملنا جلنا ہے!"

"ڈاکٹر داؤد نے کئی دُوسرے لوگوں کے سامنے مجھے شرمندہ کیا تھا۔ کہنے لگے شاید صاحبزادے آپ کو بدنام ہی کرنے پر تُل گئے ہیں۔ بھیک مانگ رہے تھے۔ میری بچی کے پاس!"

ثریا کچھ نہ بولی۔ رحمان صاحب کہتے رہے۔ "اس کی لڑکی صالحہ اپنی کسی غیر ملکی دوست کے ساتھ ساحلی علاقے میں پھر رہی تھی... وہیں اس مردود نے..."

"صالحہ سے بھیک مانگی تھی!"

"نہیں... اس غیر ملکی لڑکی سے جو اس کے ساتھ تھی!"

"کیا وہ صالحہ کو پہچانتے نہیں تھے!"

"میں کیا جانوں!" رحمان صاحب پیر پٹخ کر غرائے۔

"ہو سکتا ہے کہ صالحہ کو اس کے بھائی جان کا دھوکا ہوا ہو!"

"بکواس مت کرو۔ کیا میں نے خود اس کی تصدیق نہ کرائی ہوگی!"

رحمان صاحب اُسے گھورتے ہوئے بولے۔ "چوری یا بھیک کے علاوہ اور کیا چیز اس کا پیٹ بھر سکتی ہے!"

ثریا کچھ نہ بولی۔

◆

جولیانا فٹز واٹر نے ٹیلیفون پر ایکسٹو کے نمبر ڈائل کیے۔ دُوسری طرف سے ایکسٹو کی آواز سُنائی دی۔

"ہیلو!"

"جولیا اسپیکنگ سر!"

"ہوں کیا بات ہے؟" ایکسٹو غرایا۔

"ایک اطلاع ہے جناب..."

"کہو... فضول وقت نہ ضائع کیا کرو!"

"عمران بھیک مانگتا پھر رہا ہے!"

"کیا بکواس ہے!"

"یقین کیجیے جناب!"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بھلا ہمیں اس سے کیا سروکار کہ وہ بھیک مانگتا پھر رہا ہے!"

"میں نے کہا چونکہ وہ ہمارے لیے کام کرتا رہتا ہے..."

"غیر ضروری باتیں نہیں!" دُوسری طرف تنبیہی لہجے میں کہا گیا اور سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

جولیا نے بھی دانت پیستے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا بیٹھی تھی... مٹھیاں خود بخود بھنچ گئی تھیں اور دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں دھمک پیدا کرنے لگی تھیں...

"جانور!" اس کے خشک ہوتے ہوئے ہونٹ ہلے تھے۔

اس نے اس بنا پر ایکسٹو کو اس واقعے کی اطلاع دی تھی کہ عمران اس کا ایجنٹ تھا لیکن اس نے ازراہِ انسانیت تفصیل تک معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس درجہ کی درندگی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ خود کو آخر سمجھتا کیا ہے؟ اس نے سوچا۔ انسانیت چھو کر بھی نہیں گزری۔ عمران نے اس کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔ ایک ایک کر کے آنکھوں میں پھر گئے۔ کتنی بار وہ موت کے منہ میں گیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اس کا معقول معاوضہ ملا ہو لیکن پھر بھی ایسی بے مروتی۔ یہ ایکسٹو جانور ہے۔ پورا پورا جانور۔

جولیا عمران کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے اس حال میں دیکھے گی۔ ویسے عمران سے تو کچھ بھی بعید نہیں تھا لیکن اس نے یہ ڈھونگ کسی خاص مقصد کے تحت رچایا ہوتا تو ساتھ ہی بھیس بدلنا بھی لازمی ہی تھا۔ اپنی اصلی شکل و صورت میں بھیک نہ مانگتا۔ جولیا سوچتی اور کڑھتی رہی۔ کیا یہ ناممکن ہے کہ اس کی مالی حالت سچ مچ اس حد تک خراب ہو گئی ہو کہ بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے۔ اکثر اس نے اسے ضرورت سے [illegible] سنا تھا۔ کہیں تیری یہ [illegible] مجھے بھیک مانگنے پر مجبور نہ کر دیں...

اب خوامخواہ یہ جانور بھی پال رکھا ہے... اور ویسے بھی اخراجات اُوٹ پٹانگ ہی ہیں لیکن یہ صورتِ حال... آخر اس سے کس طرح نپٹا جائے؟ کیا وہ اس کی امداد قبول کر سکے گا؟ اس نے پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھا کر عمران کے نمبر ڈائل کیے۔ دُوسری طرف سے کسی نے کال ریسیو تو کی تھی لیکن آواز عمران

کی نہیں تھی۔ کوئی عورت بول رہی تھی۔

"میں عمران سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"فنٹرواٹر... ! اگر وہ موجود ہوں تو ریسیور اس کے ہاتھ میں دے دیجئے۔" جولیانا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر اسی عورت کی آواز سنی تھی۔ "وہ پوچھ رہے ہیں آپ اپنی پرانی کار تو فروخت نہیں کرنا چاہتیں۔"

"کیا بکواس ہے۔" جولیا بے ساختہ بولی۔ "آپ کون ہیں؟"

"میرا نام ثریا ہے۔ میں اُن کی چھوٹی بہن ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم دونوں پہلے بھی مل چکے ہیں۔" جولیا نے کہا۔

"آپ جولیانا فنٹرواٹر تو نہیں ہیں؟"

"ہاں۔ میں ہی ہوں۔ وہ مجھ سے گفتگو کیوں نہیں کرتا...؟"

"گفتگو تو مجھ سے بھی نہیں کر رہے... میں نہیں کہہ سکتی کہ انہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"کیا میں آؤں؟"

"مرضی آپ کی۔"

جولیا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی بہن کی موجودگی میں وہاں جانا چاہئے یا نہیں۔

اب تو جانا ہی تھا۔ کہہ چکی تھی۔ ویسے ایک بار پہلے بھی وہ عمران کے خاندان والوں کی موجودگی میں اس سے مل چکی تھی اور وہ لوگ اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔

بہرحال وہ کچھ دیر بعد اپنی چھوٹی سی فیاٹ میں سفر کر رہی تھی۔ دستی بیگ میں اتنی رقم رکھ لی تھی جو فوری طور پر کسی نہ کسی طرح اس کے کام آ سکتی۔

عمران کے فلیٹ تک پہنچنے میں بیس منٹ صرف ہوئے۔ نشست کے کمرے میں ثریا شاید اسی کی منتظر تھی۔ انہوں نے شاید خاموشی سے مصافحہ کیا اور تھوڑی دیر تک خاموش ہی بیٹھی رہیں پھر ثریا نے کچھ کہنے کے لیے لب ہلائے ہی تھے کہ برابر والے کمرے سے آواز آئی۔ "ہائے... فیول پمپ ٹھیک ہے۔ بیٹری ڈاؤن ہو گئی ہے۔ لگاؤ دھکا...!" عمران ہی کی آواز تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ درد کے مارے کراہ رہا ہو۔

"کیا ہوا ہے؟" جولیا نے آہستہ سے پوچھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہوش کی باتیں نہیں کر رہے۔ تم چلو نا اندر۔"

اندر سے پھر آواز آئی۔ "ہائے کاربوریٹر کی خرخراہٹ۔ ایجیٹ... ایکسل ٹوٹ گیا۔ ہائے فریاد ہے اے میرے رب! عذابِ قبر سے نجات دلانے والے پہلے مجھے اس کھٹارے سے نجات دے دے۔"

وہ دونوں دوسرے کمرے میں داخل ہوئیں۔ عمران مسہری پر چت پڑا تھا۔ آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں اور تھوڑی ہی دور سلیمان دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

عمران اُن کی آہٹ پر بھی متوجہ نہ ہوا۔

ویسے سلیمان انہیں دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔ جولیا نے اس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"مس صاحب!... میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ صاحب نے ایک کھٹارا خریدی ہے۔" سلیمان اس طرح بولا جیسے خود اس پر کسی جرم کا الزام ہو۔

جولیا مسہری کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اب عمران نے اُسے دیکھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ دیوانہ وار کہے جا رہا تھا۔ "نہیں۔ نہیں۔ میں تمہاری گاڑی نہیں خریدوں گا ہرگز نہیں۔ چاہے کتنے ہی پرانے تعلقات کیوں نہ ہوں۔ معاف کرو۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اپنی دوستی ہی کا واسطہ دیتا ہوں تم کو۔"

"کیا بک رہے ہو تم؟"

"تم بھی تو اپنی پرانی فیاٹ بیچنے والی تھیں۔"

"میں پوچھتی ہوں تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف!" عمران کراہا۔ "ایک ہو تو بتاؤں۔ کاربوریٹر چوک ہے... فیول پمپ خراب۔ دوسرا گیئر ڈالو تو چوتھا پڑ جاتا ہے اور بیٹری ڈاؤن۔ مجھ پر رحم نہیں آتا کسی کو۔ بس یہی پوچھتے چلے آتے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے... ویسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"اچھا اب تم خاموش رہو۔" جولیا ہاتھ اٹھا کر بولی اور سلیمان سے کہا کہ وہ باہر چلا جائے۔ کمرے کی فضا پر عجیب سا سکوت طاری ہو گیا۔ ثریا، جولیا کے قریب ہی کھڑی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے عمران کو گھورتی رہیں۔ دفعتاً عمران خود ہی بولا۔

"ایسی ذلت اور ایسی خواری کبھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔"

"ارے تو کچھ بتاتے بھی تو...!" ثریا جھنجھلا کر بولی۔

"بس کیا بتاؤں! کچھ نہ پوچھو۔"

"جلدی بتاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" جولیا نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تب پھر انگریزی ہی میں بتانا پڑے گا۔ ورنہ اُردو میں یہ داستان ختم آتی یا محاورہ ہو جائے گی کہ تم اپنا سر پیٹتی پھرو گی۔"

ثریا نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔

"یہ ایک روایتی اور خاندانی موٹر کار کی کہانی ہے۔ مجھے قدردان سمجھ کر ایک دوست نے مجھ پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔"

"یعنی آپ نے کوئی پرانی گاڑی خرید لی ہے؟" ثریا بولی۔

"بالکل... بالکل... میں لفظ "خریدنا" استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا اس سے قدردانی پر حرف آتا ہے... ہے... مبلغ ساڑھے چار ہزار، وہ ویسے بھی خطرناک کبھی فروخت نہ کرتا کیونکہ اس کے دادا نے باپ کو وصیت کی تھی اور باپ نے خود اس سے کہا تھا کہ اسے فروخت نہ کیا جائے۔ البتہ اگر کوئی قدردان ملے تو مناسب ہدیے پر اس کے نام منتقل کرا دی جائے... سو حقیر فقیر عاصی پر معاصی اُس نکوکار کے ہتھے چڑھ گیا۔"

ثریا جولیا کی طرف دیکھ کر مسکرائی...

"اور اب..." عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں خود کو دنیا کا سب سے بڑا قدردان سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ مجھ سے پہلی ہی کو ڈرائیور رکھا۔ ایک رکھا۔ دوسرا رکھا۔ تیسرا رکھا۔ رکھتا ہی چلا گیا۔ ہائے۔"

وہ کراہ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" دفعتاً جولیا نے ثریا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھ سے زیادہ آپ کچھ سمجھ سکیں گی۔ میں تو [illegible]"

"تو پھر میں کیسے کچھ سمجھ سکوں گی!"

"آپ روزانہ ملتی ہوں گی۔"

عمران پھر اچھل کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اُن ڈرائیوروں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں نہ صرف پیسہ خرچ کراتے ہیں بلکہ ایک ایک پرزے کا نام نسب میرے ذہن میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مارے کہاں تک بتاؤں! اس سے پہلے جو صاحب تھے۔ انہوں نے تو پرزوں کے نام تک بدل ڈالے تھے۔ ایک دن گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ ہینڈل بل ٹوٹ گیا۔ نکالیے ساڑھے چار روپے۔ میں بھی کوئی نیا پرزہ دریافت فرمایا ہے۔ دل پر جبر کر کے ہینڈل بل کا حلیہ دریافت کیا۔ پتہ معلوم ہوا کہ حضرت ہینڈل بل کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ تصحیح کرنی چاہی تو برا مان گئے۔ بولے "ہماری طرف ہینڈل بل ہی کہلاتی ہے۔""

"تم خواہ مخواہ بات کو طول دے رہے ہو۔" جولیانا بول پڑی۔

"اعلاب!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں نے ایسا ڈرائیور رکھا ہے جو گونگا ہے۔"

"ڈرائیونگ لائسنس کیسے مل گیا اسے؟" ثریا نے پوچھا۔

"ڈرائیونگ لائسنس نہیں تھا اس کے پاس۔ اب بھی نہیں ہے۔ دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔"

"ارے تو نکال پھینکئے اس گاڑی کو۔"

"ناممکن... قدردانی پر حرف آئے گا۔ ساڑھے چار میں خریدی تھی پانچ ہزار مزید صرف کر چکا ہوں۔ ساڑھے نو ہزار کی گاڑی ڈیڑھ ہزار میں کیسے دے دوں! ایک کباڑیا کہہ رہا تھا ٹائروں کے دام لے لو۔ گاڑی ابھی [illegible] میں گھسیٹ لے جاؤں گا۔"

"لیکن۔ میں نے کیا پوچھا تھا آپ سے!" ثریا آنکھیں نکال کر بولی۔

"شاید میں بھی یہی پوچھنے آئی ہوں۔" جولیا نے بھی عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہائے۔" وہ کراہ کر پھر لیٹ گیا۔ آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

"آپ کیا پوچھنے آئی ہیں؟" ثریا پہلی ہی سے جھلائے ہوئے انداز میں جولیا کی طرف مڑی۔

"پہلے تم بتاؤ۔" جولیا اس کی جھلاہٹ کو نظر انداز کر کے مسکرائی۔

"میں نے سنا تھا کہ آج کل بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔" ثریا کی آواز پہلے سے بھی زیادہ غصیلی تھی۔

"ہائے۔" عمران اس بار دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبا کر کراہا۔

"یہی چیز میرے لیے بھی پریشانی کا باعث بنی ہے۔" جولیا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"سنو۔ پریشانی کا باعث۔" عمران پچھاڑ کھانے والے

اندازمیں بولا۔

"مقرر کوئی پرانی گاڑی پھر دیکھتا ہوں کیسے نہیں بھیک مانگیں!"

"بھائی جان!" دفعتاً ثریا مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ "اب ہوش میں آجاؤ ورنہ تم خود دیکھو گے کہ تمہارا کیا حشر ہوتا ہے!"

"اُردو میں۔ اُردو میں کہو جو کچھ کہنا ہے۔ انگریزی زبان ایسے مضامین کی متحمل نہیں ہو سکتی!"

"یس۔ اُردو۔ جانتی۔۔۔" جولیا شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ٹھنک کر بولی۔

"عجیب سارے زمانے میں ذلیل ہوتے پھرتے ہو تو پھر ان بے چاری سے کیا پردہ!" ثریا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے!" عمران مُردہ سی آواز میں بولا۔ "جو تمہارا دل چاہے سمجھو لیکن اسے ثابت نہیں کر سکو گی کہ میں نے کبھی کسی دیسی آدمی سے بھیک مانگی ہو!"

"بہرحال بھیک مانگتے پھر رہے ہو!"

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔ کار پرانی سہی لیکن بہرحال کار ہے۔ کار سے اُتر کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے خاندانی اقبال کا احساس رُوح کو منتقل نہیں ہونے دیتا اور ان غیر ملکیوں پر بھی کافی رُعب پڑتا ہے۔ تم خود سوچو بیچارے اپنے ملک واپس جا کر میرا تذکرہ خصوصیت سے کریں گے۔ قوم کی سربلندی حاصل کرے گی۔ اس طرح۔۔۔ واہ۔۔۔ کتنی مالدار قوم ہے کہ بھکاری کاریں رکھتے ہیں!"

"خیر خیر میں نے آگاہ کر دیا ہے!" ثریا نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ڈیڈی اب آپ کو اس شہر میں نہیں رہنے دیں گے!"

"کیوں؟"

"کیا مطلب! کیا آپ کی طرح ہم سبھوں نے غیرت بیچ کھائی ہے؟"

"اچھا بس۔ جاؤ یہاں سے۔ اب تم لوگ مجھے بھیک مانگنے کے حق سے بھی محروم کر دینا چاہتے ہو!"

"بہتر ہے کہ آپ خود ہی یہاں سے کہیں اور چلے جائیے ورنہ ڈیڈی کا طریق کار آپ کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوگا!"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سلیمان نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وہ کوئی آپ کو خوشخبری سنانا چاہتا ہے!"

"خوشخبری!" عمران اچھل کر اُٹھ بیٹھا لیکن پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کسی مایوس کن خیال نے اس کی ساری خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔

"بھیجو!" اس نے مری مری سی آواز میں کہا۔

سلیمان چلا گیا۔

جولیا اور ثریا ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتی رہیں پھر ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا جس نے خاکی پتلون اور خاکی قمیص پہن رکھی تھی۔ پتلون اور قمیص پر سوکھی مٹی کے دھبے تھے۔ قبول صورت ہونے کے باوجود کسی قدر بیوقوف معلوم ہوتا تھا۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔

آتے ہی اس نے ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہنے کے اشارے کیے اور دونوں کے درمیان پھر رنگ برنگ اشاروں ہی اشاروں میں افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر وہ چلا گیا اور جولیا نے عمران کو سر سے پیر تک دیکھا۔ ساتھ ہی وہ کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ "اس ایک گمشدہ کی بدولت کیسے کیسے تجربے ہو رہے ہیں! ایسا نہ ہو کہ کہیں بیچاری بے حقیقتی نہ ہو جائے۔"

اور پھر شاید اس نے مسہری ہی پر سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ثریا نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"گُنگ۔۔۔ کیا ہے؟" عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"اماں بی کی جان کے گاہک۔ منحوس!"

"تم ہی بتاؤ میں کیا کروں!"

ثریا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دروازے میں پھر وہی گونگا ڈرائیور دکھائی دیا۔ اس بار اس کے اشاروں میں بلا کا اضطراب پایا جاتا تھا۔

عمران نے بکلفت مسہری سے چھلانگ لگائی اور نشست گاہ پر پڑے ہوئے کوٹ پر جھپٹا مارتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر وہ اور ڈرائیور دوڑنے ہی کے انداز میں فلیٹ سے برآمد ہوئے تھے۔ ثریا اور جولیا ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر رہ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں دل ہی دل میں ایک دوسری کو بھلا برا کہہ رہی ہوں۔

⁂

عمران گاڑی کو دھکیل رہا تھا اور گونگا ڈرائیور اسٹیئرنگ کر رہا تھا۔ کئی راہگیر بھی عمران کا ہاتھ بٹانے لگے۔ پھر گاڑی نہ صرف اسٹارٹ ہوئی بلکہ یہ جا وہ جا۔ نظروں سے اوجھل بھی ہو گئی اور عمران بیچ سڑک پر کھڑا ہانپتا ہی رہ گیا تھا۔ پھر ہانپا سانس لے کر رہ جانے والا محاورہ صادق آیا تھا اس پر۔

راہگیروں میں سے ایک بولا۔ "آپ تو شاید اسی گاڑی پر تھے!"

"جی ہاں!" عمران نے روہانسی آواز میں جواب دیا۔

"پھر اب؟"

"آج میں اسے جان سے مار دوں گا!" دفعتاً عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیونکہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے!"

"یعنی!"

"پہلے بھی وہ ایسی ہی حرکتیں کر چکا ہے!"

"کون؟"

"میرا ڈرائیور!"

"تو وہ آپ کا ڈرائیور تھا!" راہگیر نے حیرت ظاہر کی۔

"جی ہاں۔ چلتے چلتے انجن بند ہو جاتا ہے۔ میں نیچے اُتر کر دھکا لگاتا ہوں۔ گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہوتی ہے اور وہ مارے خوشی کے ٹرن اور میں سڑک ہی پر کھڑا رہ جاتا ہوں۔ اب دیکھئے کتنی دیر بعد اسے دھیان آئے کہ میں گاڑی میں موجود نہیں ہوں!"

"بڑی عجیب بات ہے۔ گاڑی کا میک اور ماڈل کیا ہے؟"

"حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے!" عمران جھلا کر بولا۔

"ارے صاحب تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے!؟ آپ تھک گئے ہوں گے! چلئے چائے پلواؤں!"

"[illegible] چائے پلواؤں!" عمران منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔

"ارے صاحب۔ آپ تو سچ مچ خفا ہو گئے!"

"نہیں صاحب! ایسی کوئی بات نہیں! چاؤں کا امکان ہے۔ پھر دیر بعد اسے میرا خیال آئے۔ تب وہ بے چارہ مجھے کہاں تلاش کرتا پھرے گا؟"

"وہ سامنے دیکھئے۔ اسی کیفے میں بیٹھ کر ہم سڑک پر بھی نظر رکھ سکیں گے!"

عمران نے اوپر سے نیچے تک مخاطب کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "کیوں صاحب! مجھ میں کون سے سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ آپ مجھے چائے پلوانا چاہتے ہیں!"

"نیکی کا زمانہ نہیں!" راہگیر ناخوشگوار لہجے میں بڑبڑا کر عمران کو اس طرح گھورنے لگا جیسے اس نے توہین کر دی ہو۔

"گُنگ۔ کیوں۔ کیا جھگڑا کریں گے؟" عمران نے خوفزدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں!" راہگیر ہنس پڑا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "دراصل آپ کی گاڑی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسی لیے ماڈل اور میک کے بارے میں پوچھا تھا!"

"فورڈ۔ ۱۹۲۸ء۔ میری پیدائش سے پہلے کا ماڈل ہے!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میری دلچسپی کا باعث یہی ہے!"

"اچھی بات ہے تو پھر چائے پی لوں گا۔ آئیے!" عمران نے سڑک پار کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اجنبی راہگیر اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

یہ دراز قامت اور متوسط جسامت کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ سیاہ پتلون اور براؤن جیکٹ میں ملبوس تھا۔ وہ قریبی کیفے میں داخل ہوئے۔ اجنبی ایک میز منتخب کر کے اس کی طرف بڑھا۔

"یہاں بیٹھ کر ہم سڑک کی طرف دھیان رکھ سکیں گے!" اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عمران سے کہا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

عمران کے مشورے پر اس نے چائے کی بجائے کافی کا آرڈر دیا تھا۔

"یہ گاڑی کب سے ہے آپ کے پاس؟"

"ابھی حال ہی میں ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہوئی ہے!"

"میں نہیں سمجھا!"

"مجھے مبلغ ساڑھے چار ہزار روپے۔ اس پر مبلغ پانچ ہزار کا مزید [illegible]!"

"اوہو۔۔۔ تو گویا ساڑھے نو ہزار صرف ہوئے ہیں اس پر؟"

"جی ہاں۔ بس یہی کچھ سمجھئے!"

"اگر آپ کو اس کے بارہ ہزار مل جائیں تو؟"

"میری قدردانی کا فرض مع قوالی ہو جائے گا!"

"میں نہیں سمجھا!"

"قدردانوں کے سودے ہیں!"

"شاید آپ بہت زیادہ تنگ آ گئے ہیں اس گاڑی سے!"

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ خود تنگ آ گئی ہو گی مجھ سے!"

"سچ مچ آپ بہت بیزار معلوم ہوتے ہیں!"

"صاحب آپ چائے پلانے لائے ہیں مجھے!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں کافی۔ وہ دیکھئے۔ وہ آ رہی ہے۔"

"کدھر؟" عمران اچھل پڑا۔

"متذکرہ آپ کی گاڑی کا نہیں بلکہ کافی کا ہے۔"

"اوہ!" عمران نے اس ویٹر کی طرف مایوسانہ انداز میں دیکھا جو میز پر کافی کا سامان لگا رہا تھا۔

اجنبی اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ویٹر کے چلے جانے کے بعد اُس نے پیالیاں سیدھی کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کتنی شکر لیتے ہیں؟"

"جی؟" عمران چونک پڑا، پھر کسی قدر خفت کے ساتھ بولا۔ "دو چمچے۔"

اجنبی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور پھر وہ بڑے انہماک سے کافی بنانے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"آپ بہت خاموش طبع معلوم ہوتے ہیں۔"

"مجھے چپ لگ گئی ہے۔" عمران کافی کی پیالی کو گھورتا ہوا بولا۔

"چپ تو کسی اچانک حادثے ہی کی وجہ سے لگتی ہے۔"

"جی ہاں!" عمران نے سر ہلا کر ٹھنڈی سانس لی۔

"کوئی خطرناک حادثہ؟"

"کیا؟" عمران نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

"کیوں! کیا آپ کو میرا یہ سوال برا لگا ہے؟"

"جی نہیں۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ حاتم طائی تو نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"پچھلے سال بھی ایک صاحب مجھے شہزادہ منیر شامی سمجھ بیٹھے تھے۔"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا برخوردار۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر..."

"مطلب یہ ہے کہ اگر میں آپ کو کسی خطرناک حادثے کی اطلاع بھی دوں تو آپ میرے لیے کیا کر سکیں گے؟"

"ہمدردی کے دو بول مرہم سے زیادہ ہوتے ہیں۔"

"مرہم کے نام ہی سے گھن آتی ہے مجھے۔ رہی ہمدردی تو!" عمران نے جملہ پورا کرنے کی بجائے ٹھنڈی سانس لی۔

"ہاں! ڈر کیوں گئے؟ کہو۔ کہنے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے جناب۔" عمران بولا۔

"ہوں۔ اوہ۔ ٹھیک ہے۔" اس نے جھک کر پیالی سے چسکی لی اور پھر سیدھا ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"معاف کرنا! میں کسی کو سگریٹ آفر نہیں کرتا۔" اس نے سگریٹ سلگا لینے کے بعد کہا۔

"بہت بہتر آفر کر کے دیکھئے۔" عمران نے اس زور سے میز پر گھونسا رسید کیا کہ پیالیاں بج اٹھیں۔

"ارے ارے۔ تم ہوش میں ہو یا نہیں؟" دراز قد اجنبی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کئی لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"تم وحشیوں کی سی حرکتیں کیوں کرتے ہو؟" اس بار اجنبی کی آواز میں جھلاہٹ کی جھلکیاں تھیں۔

"سگریٹ پینے والوں کا دل اسی طرح دکھتا ہے اگر اجنبی سگریٹ آفر نہ کیے جائیں۔"

"تم ادھر... میں تم سے گاڑی کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔"

"کیجئے۔" عمران مُردہ سی آواز میں بولا۔

"پہلے کافی ختم کر لیں۔"

عمران خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ اس کے چہرے پر گہری حماقت طاری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی زندگی میں کافی کی اس پیالی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو۔ دراز قد اجنبی نے بل ادا کرنے کے بعد اس سے کہا۔ "میرے خیال سے بہتر یہی ہو گا کہ اب ہم یہاں سے اٹھ چلیں۔ اگر تم میری قیام گاہ تک چلنا پسند کرو تو کیا بات ہے۔ اگر تمہارا ڈرائیور ادھر واپس آیا تو تمہیں موجود نہ پا کر گھر واپس چلا جائے گا۔"

"جی ہاں! بات تو یہی ہے۔"

"تو پھر چل رہے ہو۔ میرے ساتھ؟"

"چلیے۔" عمران نے بے پروائی سے کہا۔

وہ کیفے سے باہر آئے۔

اجنبی بولا۔ "کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔ میری گاڑی پیچھے رہ گئی ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" عمران نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

پھر انہیں قریب قریب دو فرلانگ کا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا تھا۔ وہ ایک نئے ماڈل کی چمچماتی ہوئی شیورلٹ امپالا کے قریب رکے۔

"ارررر... آپ یعنی یہ گاڑی آپ کی ہے؟" عمران نے کہا اور حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ میری ہی ہے۔ بیٹھو۔" دراز قد اجنبی نے اس کے لیے اگلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"اوہ... اور... آپ نے میری گاڑی میں دھکا لگایا تھا۔" عمران کے... لہجے کا تحیر بدستور تھا اور اب تو اس میں کسی قدر خوف کی جھلکیاں بھی پائی جاتی تھیں۔

"بیٹھو۔" دراز قد اجنبی نے جھلاتے ہوئے انداز میں عمران کو دھکا دیا۔

عمران بوکھلا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اجنبی دروازہ بند کر کے اسٹیئرنگ کی طرف والے دروازے کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تیز رفتاری کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ عمران خاموش تھا۔

"کیا واقعی تم غمگین ہو؟" اجنبی نے اسے مخاطب کیا۔

"پتہ نہیں۔"

"یہ تم یک بیک پریشان کیوں ہو گئے؟"

"گگ۔ کچھ نہیں۔ تم۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"خیر۔ خیر۔"

کچھ دیر بعد پھر خاموشی رہی۔ پھر اجنبی ہی بولا۔ "تم نے پوچھا ہی نہیں کہ میں تمہیں اپنے گھر کیوں لے جا رہا ہوں؟"

"جی۔ جی ہاں۔"

"کیا۔ جی ہاں؟"

"میں کیا پوچھوں؟" عمران کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "آپ کوئی بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"اوہو۔ تو تمہیں مجھ پر اتنا اعتماد ہو گیا ہے۔"

"آپ جیسے بزرگوں کی۔ مطلب یہ کہ اگر شفقت۔ ش۔ نصیب ہو جائے تو پھر اور۔ گگ۔ کیا چاہیے؟"

"تم ہمیشہ ہکلاتے ہو۔ یا اسی وقت ہکلاہٹ کا دورہ پڑا ہے؟"

"ارے وہ۔" عمران نے جھینپے ہوئے انداز میں قہقہہ لگایا پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "دراصل میں آپ سے ڈر جاتا ہوں۔ گگ۔ کچھ خوف سا بھی محسوس کر رہا ہوں۔"

"عجیب بات ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "میرا خیال ہے تم مسلسل بولتے رہو تو تمہاری ہکلاہٹ دور ہو جائے گی۔"

"کیا بولوں؟" عمران پُرتشویش انداز میں سر کھجاتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ "آپ نے مجھ سے کسی خطرناک حادثے کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"بالکل پوچھا تھا۔ آج کل ہر جوان آدمی کسی نہ کسی خطرناک حادثے سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہے نا۔" عمران نے بچوں کی طرح خوش ہو کر پوچھا۔

"یقیناً۔"

"تب تو جی ہاں۔ مجھے حال ہی میں ایک خطرناک حادثہ پیش آیا ہے۔"

"مجھے بتاؤ۔ شاید تمہارے کسی کام آ سکوں؟"

"وہ۔ دراصل مجھے شرم آ رہی ہے۔"

"نہیں۔ بتاؤ۔ بتاؤ۔ اس کا خیال نہ کرو کہ میں عمر میں تم سے بڑا ہوں۔ بے تکلفی سے بتاؤ۔ مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

"اچھی بات ہے۔" عمران بڑبڑایا۔ پھر اونچی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "میرے مشاغل عمر کے اعتبار سے مضحکہ خیز ہی آپ کو بھی معلوم ہوں گے۔ کبوتری کا دانہ سے دیتی ہے۔ ایک اس کے نیچے سے پیار کے مرغی کا انڈا رکھ دیتا ہوں۔ وہ دونوں کو سیتی رہتی ہے اور آخر کار ایک مرغی کا چوزہ اور ایک کبوتر کا بچہ نکل آتا ہے۔ سخت حیرت ہوتی ہوگی کبوتری کو! کیوں! ہے کہ نہیں؟"

"کیا اوٹ پٹانگ اڑا رہے ہو؟" اجنبی جھنجھلا کر بولا۔

"کہئے تو قسم کھا جاؤں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میرے پاس ایسے کئی مرغ ہیں جو کبوتری۔۔۔"

"اچھا بس خاموش رہو۔" اجنبی نے اسے جھڑک دیا اور عمران بُرا سا منہ بنائے ہوئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا بالآخر خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی ایک بہت بڑی عمارت کی چار دیواری کے پھاٹک پر رکی۔ پھاٹک بند تھا۔ اجنبی نے ہارن بجایا۔ پھاٹک کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ گاڑی آہستہ سے اندر داخل ہوئی اور پھر ایک طویل روش طے کر کے پورچ میں آ رکی۔

"آپ یہاں... رہتے ہیں؟" عمران نے گھٹی گھٹی سی آواز میں ہکلا کر پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ چلو اترو۔" جواب ملا۔

عمران دروازہ کھول کر دوسری طرف اتر گیا۔

"اب تمہیں کچھ دُور پیدل چلنا پڑے گا۔" اجنبی نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اُدھر میرا گیراج ہے۔"

"گیراج۔ میں نہیں سمجھا۔"

"میں تمہیں وہ نوادرات دکھاؤں گا جنہیں دیکھنے کی تمنا جنتوں کے دل میں ہے۔ لیکن ان کی رسائی مجھ تک نہیں ہے۔"

عمران نے بے پروائی سے شانے جھٹکے اور اجنبی کے ساتھ چلنے لگا۔ گیراج کافی طویل و عریض ثابت ہوا۔ یہاں بابا آدم کے زمانے سے لے کر طوفانِ نوح کے وقت تک کی گاڑیوں کے بیس مختلف ماڈل موجود تھے۔ دفعتاً عمران نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا۔ اجنبی کی بھویں تن گئیں اور پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ وہ اُسے گھورتا رہا پھر یک بیک چیخ کر بولا۔

"خاموش رہو۔ بند کرو دانت۔"

عمران دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا لیکن جسم اب بھی متزلزل تھا۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" اجنبی دہاڑا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے عمران نے زبردستی اپنی ہنسی پر قابو پایا ہو۔ سانس پھولی جارہی تھی اور ہونٹوں کے گوشے پھڑک رہے تھے۔

"مم۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ ہنسی خود بخود آ گئی تھی۔" عمران ہانپتا ہوا بولا۔ "یعنی کہ میں ایک ہی گاڑی سے اس قدر زچ ہوا ہوں اور آپ تو دن رات دیکھتے ہی کڑھتے رہتے ہوں گے۔"

کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ اس بار تو اجنبی کے بھی دانت نکل پڑے تھے لیکن پھر وہ سختی سے ہونٹ بھینچ لینے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

عمران ہنستا رہا۔

"اچھا بس۔" اجنبی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب سنجیدگی سے میری بات سنو۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ مجھے پرانی کاریں جمع کرنے کا شوق ہے۔"

عمران خاموش کھڑا تحیر آمیز انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں تمہاری گاڑی خریدنا چاہتا ہوں۔ پہلے ہی بارہ ہزار کہہ چکا ہوں۔ اس... سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہیں دوں گا۔ ہو سکتا ہے تم میری دلچسپی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔"

"جی، کیا مطلب؟" عمران نے نتھنے پھلائے۔

"تم اس سے زیادہ پر بھی اَڑ سکتے ہو کیونکہ میں نے دلچسپی ظاہر کی ہے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی گھٹیا آدمی سمجھتے ہیں؟"

"یہ تو معاملہ پڑنے ہی پر معلوم ہو سکے گا۔"

"میں ساڑھے نو ہزار سے کوڑی زیادہ نہیں لوں گا اگر بیچنے کا ارادہ ہوا تو..."

"کیوں؟ کیوں نہیں بیچو گے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو... ساڑھے نو ہزار میں قریب کے ماڈل کی کوئی گاڑی دلوا دوں گا۔ مزے کرنا۔"

"اچھی بات ہے تو اب سنیئے۔ یہ گاڑی بجائے خود ایک غمناک حادثہ ہے میری زندگی میں۔"

"اوہ!... مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"ایک یاد وابستہ ہے اس گاڑی سے۔"

"مجھے بتاؤ مجھے بتاؤ..." اجنبی کی آنکھیں عجیب انداز میں چمکنے لگی تھیں۔

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ ہرگز نہ بتاؤں گا۔ میں نے کسی سے وعدہ کیا تھا کہ اس معاملے کو کسی تیسرے آدمی تک نہیں پہنچنے دوں گا۔"

"تو تم نہیں بیچو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

"میں کہتا ہوں مجھے بتاؤ اپنی دشواریاں؟"

"اگر میں نے فروخت کر دی تو پھر اسے دیکھ بھی نہ سکوں گا اور یہ حادثہ میرے لیے موت کا پیغام ہو گا۔"

"اور تم اس کے اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکتے کیوں؟"

"یہی تو مصیبت ہے۔ ڈرائیور رکھنا پڑا ہے اس کے لیے۔"

"اچھا اگر تم اسے روزانہ دیکھ بھی سکو تو؟"

"اوہ۔ تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" عمران چہک کر بولا۔

"لاؤ ہاتھ۔ اسی بات پر۔" اجنبی نے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے بھی ہاتھ بڑھایا اور وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ "سودا پکا۔ تم دن میں دس بار آ کر اسے دیکھ سکتے ہو۔ آج سے تم بھی میرے دوستوں میں شامل ہو گئے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میرا نام علی عمران ہے۔"

"اور میں..." وہ اپنی جیب ٹٹولتا ہوا بولا۔ "یہ رہا میرا کارڈ۔"

"ار... ارے باپ رے... سر بہرام بازرو والا... بب باپ۔"

"ارے۔ تم گھبرا کیوں گئے؟" وہ ہنسنے لگا۔

"جناب۔ آپ نے۔ مم۔ میری گاڑی کو دھکا لگایا تھا۔ میرے خدا اتنا بڑا آدمی جناب کیا آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔"

"ارے۔ کیا بات ہے بھئی! تم میرے دوست ہو۔" وہ عمران کا ہاتھ دبا کر بولا۔ اس وقت اس کی آنکھیں بچوں کی آنکھوں سے مشابہ نظر آتی تھیں۔

"پھر بھی جناب۔ میں بہت بے ہودہ ہوں۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے کچھ نہیں۔" وہ عمران کی پشت پر تھپکیاں دیتا ہوا بولا۔ "چلو میرے ساتھ اب میں تمہیں اپنی اسپیشل چائے پلواؤں گا۔ خاص طور پر بلینڈ کراتا ہوں۔"

⁂

جولیانا فٹز واٹر نے فون پر صفدر کے نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولی۔

"تم نے مجھے فون نہیں کیا حالانکہ جانتے تھے کہ میں پریشان تھی۔"

"مجھے ہنسی آتی ہے تمہاری بوکھلاہٹ پر۔" دوسری جانب سے جواب ملا۔ "ویسے مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ حضرت کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

"کیوں اب کیا ہوا؟"

"گاڑی فروخت ہو گئی۔ سر بہرام بازرو والا نے خریدی ہے۔ لیکن ڈرائیور اب بھی موجود ہے۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ پھر تو بھیک مانگتا ہوا نہیں دکھائی دیا؟"

"نہیں۔ بھئی۔ ساڑھے نو ہزار میں سودا ہوا ہے۔"

"کیا سر بہرام پاگل ہے؟ اس کھٹارے کے ساڑھے نو ہزار..."

"کیا تم نہیں جانتیں کہ سر بہرام کو پرانی گاڑیاں جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"اوہو۔"

"دلچسپ آدمی ہے۔ بہرحال تم مطمئن رہو۔ وہ حضرت اب بھیک نہیں مانگتے۔ آج ہی دو بہت قیمتی شرٹ خریدی ہیں۔"

"کیا وہ سچ مچ اتنا ہی احمق ہے کہ ایک بہت پرانی گاڑی خرید کر اس کے اخراجات کے لیے بھیک مانگتا پھرتا۔" جولیا نے کہا۔

"تم خود ہی غور کرو اس پر۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"پتا نہیں۔ لیکن اس دوران میں ایک انکشاف بھی ہوا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"رحمان صاحب۔ اسے شہر ہی سے نکلوا دینے کے در پے ہو گئے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تفصیل کا علم نہیں ہے مجھے لیکن ہے کچھ ایسی ہی بات۔"

"میرا خیال ہے کہ انہیں بھی اس کی یہ حرکت گراں گزری ہے۔" جولیا نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"اچھا بہت بہت شکریہ۔" جولیا نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

لیکن ابھی میز کے پاس سے ہٹنے بھی نہ پائی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

جواب ملنے کی بجائے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ جولیا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟" اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سوچا۔

"اونہہ۔" جولیا بُرا سا منہ بنا کر شانے جھٹکاتی ہوئی بیڈروم کی طرف مڑی۔ دو قدم بھی نہیں چلی تھی کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ ہونٹ بھینچ کر ریسیور اٹھایا۔ اس بار کی "ہیلو" قہر آلود تھی۔ لیکن دوسری جانب سے ایکسٹو کی غراہٹ سن کر وہ حواس باختہ ہو گئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ عمران کی فکر میں نہ پڑو۔"

"یس سر۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی..."

اردو فنڈز ڈاٹ کام

"ہم۔ میں معافی چاہتی ہوں جناب۔" روزا روہانسی ہوگئی۔
"سزا ضرور ملے گی۔" بے حد خشک لہجے میں کہا گیا۔

جولیا کچھ نہ بولی۔

"سنو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "سزا یہ ہے کہ تم اسی کے ہاتھوں اپنی سزا کو پہنچو۔"

"ہم ... میں ..."

"خاموشی سے سنو۔" آواز بہت خوفناک تھی۔ جولیا کانپ گئی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے پلکیں جھپکائیں اور دو موٹے موٹے قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"جولیانا فٹز واٹر۔"

"یس سر ...؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اب وہ جس طرح چاہے گا تمہیں استعمال کرے گا اور تم اُف بھی نہ کر سکو گی۔"

"ہم ... میں ... نہیں سمجھی۔"

جولیا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر اس نے آنکھیں خشک کرتے وقت سوچا۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے ... عمران ... بھلا وہ مجھے کس طرح استعمال کرے گا ... اونہہ ... دیکھوں گی۔"

کچھ دیر پہلے عمران کے لیے ہمدردی کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن ایکسٹو کی گفتگو سن کر وہ ایسا محسوس کرنے لگی تھی جیسے عمران کے تصور سے بھی بیزار ہو۔ وہ دانت پیستی ہوئی اس کمرے ہی سے ہٹ گئی۔

✦ ✦

صفدر ان دونوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس بار جولیا کا یہ کام نہیں تھا بلکہ اس کے لیے براہ راست ایکسٹو کی طرف سے ہدایت ملی تھی اور صفدر کو یقین تھا کہ عمران اس میک اپ میں اسے پہچان نہیں سکے گا۔

گاڑی اس نے فروخت کر دی تھی لیکن گونگا ڈرائیور اب بھی اس کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت فوکسی میں دونوں موجود تھے اور گونگا ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ صفدر کی گاڑی ان کے پیچھے تھی۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ سردی شباب پر تھی۔ اسٹیئرنگ پر صفدر کے ہاتھ گویا جمے جا رہے تھے۔ شمال کی برفانی ہوائیں ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہوتی تھیں۔ آخر یہ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟

صفدر سوچ رہا تھا۔ کیا ایکسٹو نے کوئی کام عمران کے سپرد کیا ہے لیکن اگر یہ بات ہوتی تو احکامات کا انداز مختلف ہوتا۔ تعاقب کا حکم کچھ اس طرح دیا گیا تھا جیسے ایکسٹو بھی عمران کی موجودہ حرکات کے بارے میں تشویش میں ہو اور وہ خود بھی اس کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا ہو۔ بہرحال اس شہر سے آنے والی رات نے پہنچنا ہی تھا پتا نہیں یہ دونوں کہاں تک جائیں!

عمران کی فوکسی شہری آبادی کو بہت پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ کھلی فضا میں پہنچتے ہی سردی کا احساس شدید تر ہو گیا۔ اسی سڑک پر آگے ایک متوسط درجے کا قصبہ تھا جہاں زیادہ تر مویشیوں کا کاروبار کرنے والے آباد تھے۔ سڑک کے کنارے ہی ایک اکا دکا ہوٹل بھی تھا۔ مویشیوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں آنے والے باہر کے بیوپاری عموماً یہیں قیام کرتے تھے۔ ہوٹل کی ظاہری حالت [illegible] ٹوٹ پھوٹ کے آثار [illegible] کے لیے اسی سڑک پر گزرتے تھے۔ صفدر کا خیال تھا کہ عمران کی گاڑی یہاں ضرور رکے گی کیونکہ وہ دونوں [illegible] ایک پیالی کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ بالآخر اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ ہوٹل کے قریب داخل ہوتے ہی عمران کی گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی تھی اور پھر ہوٹل کے سامنے وہ رک بھی گئی۔ صفدر کو ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی شیورلٹ اور بھی دکھائی دی جو پہلے ہی سے سڑک کے کنارے موجود تھی۔

صفدر نے اپنی گاڑی سڑک سے اتار کر کچھ فاصلے پر روک دی اور ان دونوں کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھتا رہا۔ اس نے ابھی تک اپنی گاڑی کا انجن بند نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر اور ٹھہر کر اس نے سوئچ آف کر دیا اور خود بھی گاڑی سے اتر آیا۔ ہوٹل کا ڈائننگ ہال معمولی قسم کے فرنیچر پر مشتمل تھا لیکن رکھ رکھاؤ اور صفائی ستھرائی کی وجہ سے دوسرے دیہی ہوٹلوں سے مختلف نظر آتا تھا۔ صفدر کا اندازہ تھا کہ ڈائننگ ہال بالکل ویران ہو گا۔ اس وقت جبکہ اب ڈیڑھ بج رہا تھا لیکن یہ خیال بالکل غلط نکلا۔ آدھی سے زیادہ میزیں آباد تھیں۔ صفدر نے دانستہ عمران کے قریب والی میز منتخب کی اور اس طرح بیٹھا کہ عمران کی پشت اسی کی طرف رہے۔ گونگا ڈرائیور اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور عمران کا سر کبھی اس طرح ہلتا جیسے وہ اس کی بات سمجھ گیا ہو اور کبھی اس طرح ہلتا جیسے وضاحت کے لیے مزید اشارے درکار ہوں۔ گونگا اپنے حلق سے بلبلی آوازیں بھی نکالتا جا رہا تھا۔

صفدر نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کو کہا۔

عمران کی میز کے قریب ہی ایک ویٹر نظر آیا اور پھر جیسے وہ اس کا آرڈر لے کر واپس جا رہا تھا۔ ایک آدمی سے ٹکرا گیا جو تیزی سے عمران کی میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اندھے ہو۔" وہ غرایا۔

"معافی چاہتا ہوں جناب۔" ویٹر گڑگڑایا اور وہ آدمی مزید کچھ کہے عمران کی طرف بڑھ آیا۔

صفدر نے اسے کرسی کھینچ کر عمران کے قریب بیٹھتے دیکھا۔

"آپ آئے ہیں یا جا رہے ہیں؟" اس نے عمران سے پوچھا۔ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ صفدر ان کی گفتگو نہ سن سکتا۔

"میں صرف بیٹھا ہوا ہوں۔" عمران کا جواب تھا۔

"جی وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ میرا مطلب تھا [illegible]"

"ذرا ٹھہریے۔" عمران نے اسے یکسر نظرانداز کر دیا۔

"جی ..."

"آثار قدیمہ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں خوب صورت اور جاندار جسموں کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"آپ دو ہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ڈرائیور مجھ جیسے [illegible] کا ساتھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ سنجیدہ نہیں ہیں جناب؟"

عمران نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر پٹختے ہوئے کہا۔ "میں بہت بوکھلایا ہوا ہوں ... دیر نہ کرو۔"

"رکھ لیجیے جناب ... ابھی جیب میں رکھ لیجیے۔ رات کا وقت ہے۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

صفدر نے دیکھا عمران نے بڑی بے پروائی سے وہ گڈی پتلون کی جیب میں منتقل کر لی ہے۔ اتنے میں ان کی میز پر چائے کی ٹرے آ گئی۔

"نہیں شکریہ۔" اجنبی بولا۔ "میں ابھی ابھی پی چکا ہوں۔ آپ لوگ شوق فرمائیں۔"

"یار مار دو گولی۔ نہیں پیتے چائے والے ... قیمت ادا کیے دیتے ہیں۔" عمران مضطربانہ انداز میں بولا۔

"عنایت جناب۔ آپ فکر نہ کیجیے۔ اطمینان سے چائے پی لیجیے۔" اجنبی بولا۔

"کہیں دور چلنا پڑے گا؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں تھوڑی ہی دور۔"

"اوہو۔ لیکن میری گاڑی تو فوکسی ہے۔ آپ کا کیا ہو گا؟"

"میری اپنی گاڑی موجود ہے اور میں آپ لوگوں کو اپنی ہی گاڑی میں لے چلوں گا۔"

"کیا ہر ایک شخص آپ ہی کے توسط سے وہاں پہنچ سکتا ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ جو جانتے ہیں خود بھی پہنچ جاتے ہیں۔"

"بہتر۔ خیر صاحب اب مجھے جلدی سے چائے پی لینے دیجیے۔"

صفدر نے دیکھا کہ وہ جلدی جلدی چائے کے گھونٹ لے رہا ہے۔

دو منٹ کے اندر اندر وہ کہیں اور جانے کے لیے اٹھ گئے۔

صفدر اس وقت اٹھا تھا جب وہ دروازے سے نکل رہے تھے۔

پھر اس نے انہیں سیاہ شیورلٹ میں بیٹھتے دیکھا۔

کچھ دیر بعد صفدر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شیورلٹ کی رفتار خاصی تیز تھی۔ صفدر مطمئن تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ جا رہے تھے جہاں واقفیت رکھنے والے کسی کی رہنمائی کے بغیر بھی پہنچ سکتے تھے۔ یہ بات اسے اجنبی ہی کی زبانی معلوم ہوئی تھی ... مشکل سے یہ سفر دس منٹ تک جاری رہا ہو گا۔ شیورلٹ پختہ سڑک سے کچے راستے پر مڑ گئی تھی اور تھوڑی ہی دور جا کر رک گئی تھی۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ صفدر نے بھی اپنی گاڑی شیورلٹ کے برابر ہی روکی تھی اور ان تینوں کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک ان میں سے ایک رکا تھا۔

"کون ہے؟" صفدر نے آواز سنی۔

لیکن یہ عمران کی آواز نہیں تھی اور اس کا ساتھی تو گونگا تھا۔ یقیناً یہ اجنبی ہی ہو سکتا تھا۔ وہی تھا کیونکہ صفدر کچھ دیر پہلے اس کی آواز سن ہی چکا تھا۔

"چلتے رہو۔" صفدر بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔

اجنبی ہی کے ساتھ عمران اور اس کا ساتھی بھی رک گئے تھے۔ اتنی دیر میں صفدر بھی ان کے قریب جا پہنچا۔

"آپ کون ہیں جناب؟ اور اس طرح کیوں پیچھے آ رہے ہیں؟"

"میں کہتا ہوں چلتے رہو۔" صفدر بولا۔

"اور کیا؟ اندھیرے میں ہم کیوں کسی کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ مسافر تو ایک ہی راستے کے ہیں۔" عمران بڑی گمبھیر آواز میں بولا۔

"خیر صاحب۔" اجنبی بڑبڑایا اور وہ پھر چلنے لگا۔

اب صفدر کو یاد آیا کہ اسی طرف ایک بہت پرانا ریسٹ ہاؤس بھی ہے جسے کوئی غیر ملکی عورت چلاتی ہے۔ شہر کے تاجر

اور دوسرے مصروف پیشوں کے لوگ تعطیل گزارنے کے لیے اکثر اسی طرف آتے ہیں۔ ریسٹ ہاؤس کا نام اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شبہ یقین میں بدل گیا۔ وہ ریسٹ ہاؤس کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے اور اب صفدر کے انداز میں کسی قسم کی بھی ہچکچاہٹ باقی نہیں رہی تھی۔ البتہ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ یہاں آئیں گے تو وہ اپنی گاڑی وہاں نہ چھوڑتا بلکہ دوسرے راستے سے سیدھا یہیں لیتا چلا آتا۔ ممکن ہے پہلے ہی سے کئی گاڑیاں پارک تھیں۔ وہ انہیں پیچھے چھوڑ کر خود آگے بڑھتا چلا گیا۔ پورچ میں روشنی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ لوگ سیدھے راستے سے کیوں نہیں آئے؟ اس طرح وہ سیاہ رنگ کی شیورلٹ عمارت تک آ گئی تھی۔ پورچ سے گزر کر وہ ہال میں داخل ہوا۔ یہاں ایک معمر سفید فام عورت کاؤنٹر پر نظر آئی۔ اس نے بھویں سکوڑ کر صفدر کا جائزہ لیا تھا۔ ہال میں اس عورت کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔ صفدر کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

عورت اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ پینے کو مل جائے گا؟" صفدر نے پوچھا۔

"بارہ بجے کے بعد شراب یہاں نہیں مل سکتی۔" خشک لہجے میں جواب ملا۔

"میں چائے یا کافی کی بات کر رہا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت یہ بھی ناممکن ہے۔"

اتنے میں وہ تینوں بھی کاؤنٹر کے قریب آ پہنچے اور صفدر دوسری طرف سے مڑ کر بے تعلقانہ انداز میں سگریٹ سلگانے لگا۔

اجنبی معمر عورت سے کہہ رہا تھا۔ "ان شریف آدمیوں کو صبح تک کے لیے کمرے چاہئیں۔"

"اوپر لے جا کر دکھا دو۔" بوڑھی عورت بولی۔

اجنبی پھر صدر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ عمران اور گونگا ڈرائیور اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

"اچھا خاتون۔" صفدر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "بہت بہت شکریہ۔"

"معاف کرنا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ کوئی خدمت نہ کر سکی۔"

صفدر اس کا پورا جملہ سننے کے لیے رکا نہیں تھا۔

اس نے پورچ ہی میں جا لیا لیکن ان سے کسی قدر فاصلے ہی پر چل رہا تھا۔ وہ چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچے اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ یہ زینے تھے۔ صفدر نے اُن کی تقلید کی تھی اور نہایت اطمینان سے اُن کے پیچھے پیچھے خود بھی زینے طے کر کے اوپر جا رہا تھا۔

ایک بالکنی میں زینوں کا اختتام ہوا۔

اب وہ ایک بڑے کمرے میں تھے جہاں دُھندلے شیڈ لگے ہوئے بلب روشن تھے اور موٹی سی عورت ایک آرام کرسی پر پڑی اونگھ رہی تھی۔ صفدر نے محسوس کیا کہ اب اجنبی خود اس کی طرف سے بے پروا نظر آ رہا ہے۔ اندھیرے میں پہلے وہ اس کی شکل نہ دیکھ سکا ہوگا۔ دوسری بار روشنی میں دونوں کاؤنٹر کے قریب ملے تھے۔ وہ بوڑھی عورت کا کوئی شناسا سمجھا ہوگا۔

"تم سو رہی ہو کیا؟" اجنبی نے بوڑھی عورت کا شانہ ہلا کر کہا۔

"اُوں ... ہُوں ...!" وہ بوکھلا کر سیدھی ہو گئی۔ پھر عورت سیدھی اجنبی پر برس پڑی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے جگانے کا ... جنگلی کہیں کے!"

"ارے خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔ جو خالی ہیں انہیں بلاؤ۔"

"یہیں کیسے بیٹھی تھی۔ آدمیوں کی طرح بات کرو۔" عورت غرائی۔

"معاف ... ٹھیک کرو جلدی سے اٹھو ..." اجنبی نے اس کی طرف اپنا سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم بعض اوقات تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔" عورت نے سگریٹ کیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔ سگریٹ سلگا کر اس نے ان تینوں کا بغور جائزہ لیا اور دیوار پر ایک پینل سوئچ کا بٹن دباتی ہوئی اجنبی سے بولی۔ "سب ہی خالی ہیں۔ موسم کے شدید ہو جانے کی وجہ سے شاید کوئی ادھر آیا ہی نہیں۔ خدا غارت کرے ان شمالی ... ہواؤں کو۔"

تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایک کر کے گیارہ لڑکیاں کمرے میں داخل ہوئیں۔ صفدر کا اندازہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی دیسی نہیں ہے۔ عمران اور اس کا گونگا ڈرائیور انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اس سے پہلے کبھی انہوں نے عورتیں دیکھی ہی نہ ہوں۔ صفدر الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے؟ بات پوری طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ گاہک کی حیثیت سے آیا تھا تو اُسے بھی کسی لڑکی کو منتخب کرنا ہی تھا۔

لیکن یہ عمران؟ اُسے حیرت تھی۔ اگر ایکسٹو کی ہدایت پر اس نے تعاقب نہ کیا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ حضرت بہرحال چھپے رستم نکلے۔ دفعتاً اس نے عمران کو کہتے سنا۔

"ہم ... میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟" اجنبی بولا۔

"سبھی تو ایک سے ایک ہیں۔"

"تو پھر آنکھیں بند کر کے کسی ایک کا ہاتھ پکڑ لیجیے۔" اجنبی نے کہا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" عمران خوش ہو کر بولا اور آنکھیں بند کر کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس بوڑھی عورت کی طرف بڑھنے لگا جو کچھ دیر پہلے آرام کرسی پر پڑی اونگھ رہی تھی۔ عمران اس کی طرف بڑھتا رہا اور لڑکیاں کھکھلا کر ہنستی رہیں۔ عورت بھی کھسیانے انداز میں ہنس رہی تھی۔ اتنے میں صفدر نے محسوس کیا کہ گونگا ڈرائیور اس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا ہے، اور پھر اس نے ایک مڑا تڑا سا کاغذ اس طرح صفدر کے ہاتھ میں تھما دیا کہ آس پاس والوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ صفدر نے اُسے مٹھی میں دبائے ہوئے پتلون کی جیب میں ڈال لیا۔ ادھر عمران نے جھپٹ کر بڑھیا کا ہاتھ پکڑا اور ادھر قہقہوں کے شور سے چھت اُڑتی ہوئی سی معلوم ہونے لگی۔ صفدر سوچ رہا تھا شاید عمران نے اسے پہچان لیا ہے ورنہ اس کا ساتھی اسے کاغذ کیوں تھماتا۔ یقیناً کوئی پیغام ہے کوئی ہدایت ہے جس پر فوری طور پر عمل کرنا ہے۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اجنبی بولا۔ "آپ کہاں چلے جناب؟"

"میں پھر آرام سے گفتگو کروں گا۔" صفدر نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اچھا!" اس نے کہا۔ اور پھر عمران سے کچھ کہنے لگا تھا۔ صفدر نے زینے طے کیے اور نیچے پہنچ کر سگریٹ نکالنے کے بہانے ایک تیز روشنی میں پرچے پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا۔

"اپنی گاڑی وہاں سے ہٹا کر پچھلے راستے کی ناکہ بندی پر رکھو اور کالی گاڑی کے ڈسٹری بیوٹر کے پاس سے ٹرانسمیٹر نکال لو۔"

صفدر نے طویل سانس لی اور پرچے کو توڑ مروڑ کر دوبارہ جیب میں ڈالتا ہوا اسی طرف چل پڑا جہاں اُس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ یہاں بدستور سناٹا طاری تھا۔ سیاہ شیورلیٹ بھی موجود تھی۔ اس نے سوچا اگر مقفل کر گیا ہوگا تو دشواری ہوگی لیکن وہ مقفل نہیں تھی۔ اس نے باآسانی بونٹ اٹھا کر ڈسٹری بیوٹر پر ہاتھ صاف کر دیا۔ پھر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے سڑک پر لے آیا اور اسی طرف چل پڑا جہاں سے ریسٹ ہاؤس کے پچھلے حصے پر بنی پختہ سڑک گزرتی تھی۔ اس پوری کارروائی میں پندرہ منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے بائیں موڑ کے قریب اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی اور انجن بند کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا، پتا نہیں کتنی دیر تک ٹھہرنا پڑے۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور دائیں جانب والی کھڑکی کا شیشہ کسی قدر گرا کر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

گھڑی تین بجا رہی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے ایکسٹو نے عمران کو مطلع کر دیا ہو کہ وہ اس کا تعاقب کر رہا ہے ورنہ اس میک اپ میں عمران شاید اُسے نہ پہچان سکتا۔

وہ اونگھتا رہا اور بار بار گھڑی دیکھتا رہا۔

پھر ٹھیک ساڑھے چار بجے اس نے قدموں کی آہٹ سنی تھی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر اندھیرے میں دو دھندلے سائے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کسی قدر جھک کر چل رہا تھا۔ غالباً اس نے کوئی بھاری بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ وہ قریب آ گئے۔ باہر سے عمران کی آواز آئی۔

"کیا سو گئے؟"

جواب میں صفدر دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولو۔" عمران بولا۔

اس کا ساتھی پشت پر ایک بہت بڑا گٹھر اٹھائے ہوئے تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ گٹھر سیٹ پر رکھ دیا گیا اور گونگا بھی سمٹ سمٹا کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ عمران اگلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے صفدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہوائیں چلو اور مجھے ہوٹل سے ایک فرلانگ ادھر ہی اتار دینا۔ سیدھے رانا پیلس جاؤ۔ جوزف پھاٹک پر ملے گا ... تم نے تھیلے پکڑ رکھا ہے اچھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے سوار ہو۔ ٹھیک۔ بہرحال تم بھی رانا پیلس ہی میں میرا انتظار کرو گے۔"

"جوزف ...؟" صفدر اُلجھن آمیز استفسار کرتا ہوا بڑبڑایا۔

"جوزف کی فکر نہ کرو۔ ہمارے ڈرائیور صاحب کو دیکھ کر نہال ہو جاتے ہیں۔ تمہیں ان کے ساتھ دیکھیں گے پھر قطعی عزیزی نہیں ہوگا تمہارے بارے میں کچھ دریافت کرتے ہوئے۔" پھر صفدر نے عمران کو ایک یا ڈیڑھ فرلانگ ادھر ہی اتار دیا تھا۔

※

عمران پیدل پہنچا تھا ہوٹل تک۔ اپنے فلیٹ کے قریب رک کر اس نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے کوٹ کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں عمران گاڑی سے بہت دور کھڑا نظر آیا، کیونکہ کوٹ تو اُتر کر کالر پکڑنے والے کے ہاتھ ہی میں رہ گیا ہوگا۔

گولی مار دوں گا۔ ورنہ وہیں ٹھہرو۔ جہاں ہو؟" عمران نے کسی کی غراہٹ سنی۔

"کوٹ تو واپس کر دو پیارے۔ بس سردی لگ رہی ہے؟" عمران نے کہا۔

"تم مجھے انتہائی شکر آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

"یار شکر کہہ لو یا آدمی! دونوں ایک ساتھ۔ ناممکن... لنگ کوٹ... پیارے بھائی؟"

عمران نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ وہی ہو سکتا تھا جو اسے ہوٹل سے ریسٹ ہاؤس تک سیاہ شیورلیٹ میں لے گیا تھا۔

اس نے اس کا متحرک ہیولا اپنی طرف بڑھتے دیکھا لیکن چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ چیونگم کا پیس اب بھی اس کے دانتوں کے نیچے تھا اور وہ اسے آہستہ آہستہ کچل رہا تھا۔ مخاطب بالکل ہی قریب آگیا اور عمران نے محسوس کیا کہ گولی مار دینے کی دھمکی محض دھمکی ہی نہیں تھی۔ سچ مچ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"لنگ۔ کوٹ۔ مسٹر میرے دانت بج رہے ہیں؟" عمران کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا اور دوسرے ہی لمحے میں اجنبی اچھل کر دور جا پڑا۔ اس کا ریوالور اب عمران کے بائیں ہاتھ میں تھا اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ بھی کچھ دیر تک سہلاتا رہتا کیونکہ اجنبی کا جبڑا کچھ ایسا ہی فولادی قسم کا ثابت ہوا تھا۔

"میرا کوٹ چپ چاپ میری طرف اچھال دو ورنہ تم بھی نامعقول کھوپڑے کے استعمال سے واقف ہو جاؤ گے؟"

دوسرے ہی لمحے میں کوئی چیز اچھل کر اس کی طرف آئی اور اس نے اسے بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا تھا۔ اس کا کوٹ ہی تھا۔ عمران آہستہ آہستہ اجنبی کی طرف بڑھا۔ اس دھینگا مشتی کے دوران میں وہ ہوٹل کے قریب سے ہٹ گئے تھے اور اب قطعی اندھیرے میں تھے۔

"کیوں دوست؟ آخر اس بوکھلاہٹ کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟" عمران نے اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا۔ وہ اب بھی زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"وہ تیسرا آدمی یقیناً تمہارا ساتھی ہی تھا۔ تم کچھ گھپلا کرنا چاہتے ہو؟" اجنبی غرایا۔

"کس تیسرے آدمی کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جس نے میری گاڑی کے قریب اپنی گاڑی روکی تھی اور شاید وہی تھا جسے ہم نے اس کے کاؤنٹر کے قریب دیکھا تھا؟"

"مجھے تو کسی کا بھی ہوش نہیں۔"

"مادام نے بتایا کہ وہ ان کے لیے اجنبی تھا۔ اس سے پہلے کبھی انھوں نے اسے ریسٹ ہاؤس میں نہیں دیکھا تھا۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"تمہارا معاملہ طے کرا دینے کے بعد میں نے مادام سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ انھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر میں اس جگہ پہنچا جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ اس کی گاڑی موجود نہیں تھی۔ میں نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہی لیکن نہ ہوئی۔ جاتے جاتے کسی نے ڈسٹری بیوٹر کے پوائنٹس ہی نکال لیے تھے۔ اب بتاؤ... میں کیا سمجھوں؟"

"تمہارا دل چاہے سمجھو۔ مجھے خواہ مخواہ کیوں بور کر رہے ہو؟"

"کیا تم وہاں سے یہاں تک پیدل آئے ہو؟" اجنبی غرایا۔

"چلا ہی تو تھا لیکن میں نروس ہو کر بھاگ نکلا تھا۔ میرا ساتھی ابھی وہیں ہوگا۔ وہی بطخ تو مجھے یہاں لایا تھا؟"

"تم بکتے ہو؟"

"چلو اس سے بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو جا رہا ہوں۔ تم اس سے سب کچھ پوچھ لینا وہ حرام زادہ تو شاید صبح تک وہیں رہے؟"

"تم یہاں سے واپس زندہ نہیں جا سکتے۔ ورنہ بتاؤ کہ چکر کیا ہے؟"

"اچھی بات ہے۔ ٹھہرو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ میں کیوں خواہ مخواہ ان جھگڑوں میں پڑوں؟"

"یعنی ہے کوئی چکر؟"

"بالکل ہے۔ تم اٹھو تو بتاؤں؟"

اجنبی اٹھ کھڑا ہوا لیکن شاید اس نے اب بھی اپنا جبڑا دبا رکھا تھا۔

"ہوٹل میں چلو؟" عمران نے کہا۔

"نہیں۔ یہیں بتاؤ۔ میرا جبڑا اس قابل نہیں ہے کہ فوری طور پر روشنی میں لا سکوں؟"

"اچھی بات ہے تو سنو۔ میرا ساتھی تمہارے یہاں کی ایک لڑکی کو ریسٹ ہاؤس سے نکال لے جانا چاہتا ہے؟"

"کس کو؟"

"وہی جس کو اس نے انتخاب کیا تھا؟"

"کیا وہ بھی اسے جانتی ہے؟"

"یہ سب کچھ میں نہیں جانتا۔ آج ہی شام کو تو ہم دونوں دوست بنے تھے؟"

"اوہ! تو آج سے پہلے تم اسے نہیں جانتے تھے؟"

"قطعی نہیں؟"

"وہ تمہارے ساتھ واپس نہیں آیا؟"

"نہیں میاں... وہ تو میں ڈر کے مارے بھاگ آیا۔ میں نے سوچا کہیں کوئی بڑا گھپلا نہ ہو جائے کہ خواہ مخواہ بندے سے بندھے پھریں؟"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"بالکل؟"

"اچھا تو پھر مجھے اپنی گاڑی میں واپس لے چلو؟"

"کیوں؟ تم پیدل آئے تھے کیا؟"

"نہیں۔ ایک ٹرک ڈرائیور سے لفٹ لی تھی۔ بھول... لاؤ میرا ریوالور واپس کر دو۔ ویسے تم ہو بہت چکر تیلے...؟"

"ارے میں کیا؟" عمران نے خاکسارانہ انداز میں کہتے ہوئے ریوالور کو نال سے پکڑ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

پھر اس کا ہاتھ ریوالور تھامنے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ آواز نکالے بغیر ہی ہچکی لے کر ڈھیر ہو گیا۔ عمران دوسرے ہی لمحے میں ریوالور کو اپنے رومال سے صاف کر رہا تھا۔ وہ اس پر اپنی انگلیوں کے نشانات کیوں چھوڑتا۔ ریوالور اسی کے قریب ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔

ٹوسیٹر اسٹارٹ کی اور خاصی تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ سڑکیں سنسان تھیں اس لیے مسافت جلد ہی طے ہو گئی تھی۔ رانا پیلس کے پھاٹک پر جوزف موجود تھا۔ عمران کو دیکھ کر اس نے دانت نکال دیے۔

"سب ٹھیک ہے؟" عمران نے گاڑی سے سر نکال کر پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے باس! اپنے گونگے کے ساتھ ایک اجنبی اور ایک بے ہوش لڑکی بھی؟"

"ہاں۔ ہاں" عمران گاڑی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔

صفدر سے نشست کے کمرے میں ملاقات ہوئی۔

"لڑکی ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟" صفدر بولا۔

"کہیں اس گونگے نے گلا تو نہ دبا دیا ہو۔ سانس چل رہی ہے یا نہیں؟"

"سانس بے قاعدہ نہیں۔ نبض بھی معمول کے مطابق ہے؟"

"بس تو پھر کیا چاہیے۔ کیا تم اسے پسند کرو گے کہ وہ ہوش میں آکر تمہارا دماغ چاٹنا شروع کر دے۔ کم از کم مجھے تو بے ہوش خواتین اچھی لگتی ہیں؟"

"تو یہ اغوا بالجبر کا کیس ہے؟"

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ بہت پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ اس کے لیے بھیک تک مانگنی پڑی ہے؟"

"لیکن... بھیک... بھیک تو آپ اپنی کھٹارا کے لیے ہی مانگتے تھے؟"

"آؤ دیکھیں؟" عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "ہوش میں آنے کے بعد کیسی لگتی ہے؟"

"کس ملک سے تعلق رکھتی ہے؟"

"ساری لڑکیاں صرف ملک دل اور شہر آرزو سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسے ہمیشہ یاد رکھو؟"

"اوہو۔ بڑے رومانٹک ہو رہے ہیں آج کل؟"

"عشاق کے لیے نصاب ترتیب دے رہا ہوں... خود کسی قابل نہیں؟"

"آپ نے مجھے میک اپ میں کیسے پہچان لیا تھا؟"

"دل کو معدے سے راہ ہوتی ہے۔ ویسے تمہارے ایکسٹو صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ میری حفاظت کے لیے از راہ کرم... تمہیں روانہ فرما رہے ہیں؟"

"آخر چکر کیا ہے؟"

"چکر بھی وہی حضرت جانیں۔ یہاں تو مطلب کیش سے ہے؟"

"اس لڑکی کی تلاش کیوں تھی؟"

"یار کان نہ کھاؤ۔ ہمت ہے تو اس سے پوچھ لینا؟"

"وہ کیا اس کی تلاش کا کام ہم لوگ نہیں نپٹا سکتے تھے؟"

"یہ سوال تم خود اپنی صلاحیتوں سے کرو۔ میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں!" صفدر بڑا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

دفعتاً عمران چونک کر بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اب یہاں تمہاری موجودگی ضروری نہیں؟"

"کیا میں ایکسٹو سے پوچھے بنا جاؤں؟"

"جی نہیں آپ تشریف لے جا سکتے ہیں؟"

"اچھی بات ہے؟" صفدر ہنس پڑا۔

وہ سمجھا تھا شاید عمران نے مزاحاً بات کہی تھی لیکن عمران کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ پا کر وہ چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہرو؟" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس بار تم تنہا واپس نہ جا سکو گے؟"

"کیا مطلب؟"

"جوزف اب بھی وہیں موجود ہے۔"

"تو پھر؟"

"جب تک ہم میں سے کوئی ساتھ نہ ہو وہ تمہیں باہر نہیں جانے دے گا۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ عمران اس کے ساتھ چل رہا تھا پھر صفدر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی پھاٹک کی طرف آہستہ آہستہ رینگتی رہی کیونکہ عمران گاڑی پر ہاتھ رکھے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

اس نے جوزف کو پھاٹک کھولنے کا اشارہ کیا۔

"بس اب جاؤ۔" عمران نے صفدر کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ صفدر نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی پھاٹک سے گزر گئی۔ عمران وہیں کھڑا رہا۔ جوزف پھاٹک بند کر کے اس کی طرف مڑا۔

"تم اب جا کر سو جاؤ۔" عمران نے اس سے کہا۔

"کیا فائدہ باس؟" جوزف نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔ "صبح ہو رہی ہے۔"

"تمہارا کوٹہ تو کم نہیں ہوا؟"

"آدھی بوتل رہ گئی ہے باس۔ پھر بھی کیا کم ہے؟"

"بیچ بیچ جھپکی لے لو گے تو ترنگ بھی ہے کسی دن۔"

جوزف کو وہیں چھوڑ کر وہ پھر عمارت کی طرف واپس آیا تھا۔ کوٹھا برآمدے میں شیشہ ٹوٹا ہوا ملا لیکن عمران اس کی طرف توجہ دیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا جس سے لگے ہوئے کمرے کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر تیز روشنی والا بلب روشن کر دیا۔ سامنے مسہری پر ایک سفید فام غیر ملکی لڑکی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ عمران چند لمحے کھڑا اسے پُرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا پھر ایک الماری کھول کر اس میں سے چند شیشیاں نکالیں اور ان کے لیبل پڑھتا رہا... دو شیشیوں میں سے ایک ڈراپر میں تھوڑا تھوڑا سیال لیا۔ بے ہوش لڑکی کا منہ کھول کر چند قطرے ٹپکائے اور کلائی کی گھڑی پر نظر جمائے رہا۔ دو منٹ بعد لڑکی کے جسم میں جنبش ہوئی۔ عمران اس کا ہاتھ چھوڑ کر چند قدم پیچھے ہٹ آیا۔ لڑکی کی آنکھوں کے پپوٹے کانپ رہے تھے۔ پلکیں تھرتھرائیں اور کھلتیں اور بند ہو جاتیں۔ آخر اس نے کراہ کر عمران ہی کی جانب کروٹ لی اور آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ پہلے تو پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھورتی رہی پھر جلدی سے اٹھ کر بیٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ عمران ہاتھ اٹھا کر نرم لہجے میں بولا۔

"لیٹی رہو۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر ہونٹ سختی سے بھینچ لیے تھے۔ ویسے وہ اب بھی عمران ہی کو گھورے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تو شاید تمہارے ساتھی کے پاس تھی۔"

جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔

"کچھ دیر مزید خاموشی تمہاری صحت کے لیے مفید ہوگی۔" عمران بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑی اور پھر چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد اچھل کر اٹھ بیٹھی۔

"میں کہاں ہوں؟"

"میرے یہاں ہو..."

"میں اس کمرے میں تو نہیں تھی۔"

"اب اسی کمرے میں ہو فکر نہ کرو۔"

"تم یہاں کیسے آئے؟" اس نے کہا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ شاید حافظے پر زور دے رہی تھی۔

"اوہ میرے خدا!" وہ مسہری سے کود گئی۔

عمران نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پکڑ لیے اور دوبارہ مسہری پر بٹھاتا ہوا بولا۔ "کود پھاند بھی صحت کے لیے مضر ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟ وہ وحشی!" لڑکی ہذیانی انداز میں بولی۔ "اس سے پوچھ رہی تھی کہ آخر وہ کچھ بولتا کیوں نہیں! اور اس نے میرا گلا دبایا تھا۔ کہاں ہے وہ؟ میں کہاں ہوں؟ بتاؤ! میں..."

"خاموش بیٹھی رہو!" عمران غرایا۔

لہجہ کچھ ایسا ہی بھیانک تھا کہ وہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"انسانیت کا خادم ہوں اور انسانوں کو درندگی کی سطح سے بلند کر دینے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تمہیں اس کھٹراگ کے پیچھے میں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"تم؟" وہ جھلا گئی۔ "مجھے بتاؤ میں کہاں ہوں۔ ریسٹ ہاؤس میں تو اس طرح کا کوئی کمرہ نہیں تھا۔"

"تم ریسٹ ہاؤس سے کوسوں دور ہو۔"

"اوہ، سمجھی! تم لوگ مجھے اٹھا لائے ہو۔ تمہارے ساتھی نے میرا گلا گھونٹا تھا۔ میں غالباً بے ہوش ہو گئی تھی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے جانے دو۔" وہ کچھ دیر بعد غصیلی آواز میں بولی اور پھر مسہری سے اٹھ گئی۔

"یہاں سے تم کسی دوسرے کمرے میں جا سکو گی اور بس!"

"مجھے کیوں لائے ہو؟"

"تمہاری زندگی سدھار دوں گا۔"

"ارے تم ہو کیا بلا؟"

"یہ بھی تمہیں جلدی معلوم ہو جائے گا۔ مناسب یہی ہوگا کہ آرام کرو۔ میری مرضی کے بغیر تم اس عمارت سے باہر نہ نکل سکو گی۔"

عمران نے اور کچھ نہ کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

مانا جیلس کی چار دیواری قد آدم سے بھی کچھ اونچی ہی تھی۔ باہر سڑک پر چلتے ہوئے اندر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سلاخوں دار پھاٹک پر لوہے کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔

اس بار جوزف برآمدے میں ملا۔

"میری گاڑی کی نمبر پلیٹ بدل دو۔" عمران نے اس سے کہا۔

"اچھا باس!" جوزف نے عجیب انداز میں انگڑائیاں لیتے ہوئے کہا۔ دفعتاً اندر سے آواز آئی۔ "میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لوں گی۔"

"اس کا لہجہ بہت خراب ہے باس۔" جوزف بولا۔

"اسکاٹش ہے۔ تم پرواہ نہ کرو۔"

جوزف برآمدے سے نیچے اتر گیا۔

عمران پھر اندر آیا۔ اس بار لڑکی اسے نشست کے کمرے میں ملی۔

"یقین کرو میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔" وہ اسے دیکھ کر چنگھاڑی۔

"مجھے یقین ہے۔ تم خدا کے لیے اپنا حلق نہ پھاڑا کرو۔"

"کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟"

"صرف ایک چھوٹی سی کہانی سناؤں گا۔"

"کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو؟"

"دماغ تو میرا خراب ہوا تھا کہ تم جیسی چڑچڑی لڑکی کو..."

"خاموش رہو!" اس نے چیخ کر کہا اور آنکھیں بند کر کے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

عمران چیونگم کا دوسرا پیکٹ پھاڑ رہا تھا۔

⁂

"یقین کیجیے ڈیڈی!" ثریا رحمان صاحب سے کہہ رہی تھی۔ "وہ اب معمول کے مطابق ہی زندگی بسر کریں گے۔"

"میں فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔" رحمان صاحب خشک لہجے میں بولے۔

"وہ سب کچھ تو اس نامعقول لڑکی نے کیا تھا!"

"کیا تم مجھے بچہ سمجھتی ہو!" رحمان صاحب آنکھیں نکال کر بولے۔

"یقین کیجیے ڈیڈی، وہ گاڑی انھوں نے فروخت کر دی... اچھا اب اپنے آدمیوں سے معلوم کیجیے۔ پچھلے ہفتے کے دوران میں کہیں انھیں اس حال میں نظر آئے تھے یا نہیں؟"

"جاؤ، میرا دماغ نہ چاٹو۔"

"ڈیڈی، میں کس طرح یقین دلاؤں کہ ان کی مالی حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔ بہت اچھی بچی ہے جو انھوں نے مجھے تحفہ دی ہے ساڑھے نو ہزار اس کو شمار کر رہے ہے۔"

"ساڑھے نو ہزار!"

"ہاں ڈیڈی۔ کرنل سہراب بازوردہ والا ہے۔ اس نے خریدی ہے!"

"سہراب بازوردہ والا؟"

ثریا نے رحمان صاحب کے لہجے میں کوئی خاص بات محسوس کی تھی لیکن فوری طور پر اسے کچھ نہ سمجھی۔

"تم خاموش کیوں ہو گئیں! اور کیا جانتی ہو اس کے متعلق؟"

"وہ مسز سہراب کی لڑکی ہے۔ میں نے ایک بار تذکرہ کیا تھا نا۔ اس نے مجھے بتایا تھا۔ ایک دن یہ حضرت مارٹن روڈ پر اس گاڑی کو دھکیلنے سے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتفاق سے مسٹر سہراب بھی انھی لوگوں میں شامل ہوا جو گاڑی کو دھکیل رہے تھے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہوئے اور گاڑی کا سودا ہوا۔"

"ساڑھے نو ہزار میں!" رحمان صاحب نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں! مسز سہراب کی لڑکی نے مجھے بھی بتایا تھا!"

رحمان صاحب متفکرانہ انداز میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر بعد رک کر ثریا کی طرف مڑے۔ "سہراب کو میں جانتا ہوں۔ بہت شریف آدمی ہے۔ پتا نہیں اس کم بخت نے اس بے چارے کے ساتھ کیا فراڈ کیا ہو؟"

"ارے فراڈ کیا کرتے! وہ سہراب بچہ تو ہوگا نہیں کہ گاڑی کی کنڈیشن نہ دیکھ سکا ہوگا؟"

"سہراب کو پرانی گاڑیاں جمع کرنے کا شوق ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہوگا!"

"جب اسے شوق ہی ہے پرانی گاڑیوں کا تو پھر دھوکے کی

اردو فنز ڈاٹ کام

کا سوال کب پیدا ہوتا ہے؟"

"خیر، خیر، جاؤ۔ مجھے کچھ ضروری کام انجام دینے ہیں۔"

"ڈیڈی۔ میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اب تو آپ انھیں رہنے دیں گے؟"

"فضول باتیں نہ کرو... جاؤ...!"

ثریا بُرا سا منہ بناتے لائبریری سے چلی گئی تھی۔

رحمان صاحب ٹیلیفون والی میز کے قریب کھڑے کچھ سوچ رہے تھے۔ آنکھوں سے گہری تشویش ہویدا تھی۔ آخر انھوں نے کسی کے نمبر ڈائل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولے۔

"ہیلو... رحمان اسپیکنگ...! معلوم کرو کہ لیڈی بہرام اس وقت کہاں ہے! دس منٹ کے اندر اندر مجھے مطلع کرو... اچھا۔"

سلسلہ منقطع کرکے وہ پھر ٹہلنے لگے۔

ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی...

"رحمان۔" انھوں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہولڈ آن کیجیے۔ جناب! مسٹر سلطان گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور رحمان صاحب بُرا سا منہ بنا کر رہ گئے۔

ذرا ہی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہلو رحمان... اور کیا حال ہے؟"

"ہیلو...!"

"غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ بے وقت کیوں تکلیف دی ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں نہیں سمجھا!"

"تمہارا محکمہ عمران کے معاملات میں دخل نہ دے تو بہتر ہے۔"

"سلطان! یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری اولاد شہر میں بھیک مانگتی پھرے... میں اب اسے یہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

"وہ میرے محکمے کے ایک شعبے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم لوگ بھی اس کی تباہی کا باعث بنے ہو...۔" رحمان صاحب غرائے۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ فی الحال وہ ایک ذمہ دار آدمی ہے۔"

رحمان صاحب نے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

فوراً ہی پھر گھنٹی بج اٹھی اور رحمان صاحب کچھ ایسے انداز میں فون کی طرف پلٹے تھے جیسے اُسے اٹھا کر ہی پٹخ دیں گے لیکن انھوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو... رحمان...!"

"لیڈی بہرام اس وقت ٹپ ٹاپ کے ڈائننگ ہال میں اپنے احباب کے ساتھ موجود ہے جناب!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے... شکریہ!" رحمان صاحب نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد ایک بار پھر وہ کسی کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے نظر آئے۔

"ظاہر ہے" انھوں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں رحمان بول رہا ہوں! اس بدبخت کو اس کے حال پر چھوڑ دو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ اس نے کس طرح سر بہرام تک رسائی حاصل کی ہے؟"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا جناب!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میرا خیال ہے کہ اپنے محکمے کے مفاد کا خیال رکھتے ہوئے کوئی قدم اٹھائیں۔ محکمہ خارجہ نے بھی اس کی خدمات حاصل کی ہیں!"

"لیکن محکمہ خارجہ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟"

"دیکھا جائے گا۔ تم فی الحال اس کا خیال رکھو کہ اس مرگزدے سے ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔"

"کافی دشواریاں پیش آئیں گی جناب۔ میں نے اس حضرت کو شہری سے ہٹا دینے کے لیے سارے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔"

"فی الحال یہ ناممکن ہے۔ محکمہ خارجہ سے وارننگ مل چکی ہے۔"

"بہت بہتر جناب!"

رحمان صاحب نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

⁂

رانا پیلس میں عمران جوزف اور گونگے کے علاوہ صفدر بھی موجود تھا لیکن اب وہ ٹھیک آپ میں نہیں تھا لیکن حیرت زدہ ضرور تھا کیونکہ عمران نے تذکرہ ہی ایسا چھیڑ رکھا تھا۔

"ہاں... تو تم... اس پر یہ ظاہر کرو گے کہ وہ تمہارے ہی لیے اٹھا لائی گئی ہے... تم اس کے ایک ایسے چاہنے والے ہو کہ ہمیشہ اُسے دُور ہی سے دیکھتے رہے ہو... کہ اور یہاں کے ایک نوابزادے ہو... کیا سمجھے؟"

"کیا میں صورت سے کوئی نوابزادہ لگتا ہوں؟" صفدر نے پوچھا۔

"لگنے کو تو بہت اچھے لگتے ہو لیکن فی الحال تمہارا نوابزادہ ہی ہونا کافی ہے اور یہ عمارت یعنی رانا پیلس تمہاری ہی ملکیت ہے۔ ہم سب تو نوکر چاکر ہیں!"

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

"جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ کان دھر کر سنو... ورنہ تم مجھے تو جانتے ہی ہو!" عمران اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"پیر و مرشد" صفدر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "غلام حاضر ہے۔"

"ٹھیک... تو... سنو... تم نے اسے پچھلے سال ایمسٹرڈم کے ہوٹل پالیٹو میں دیکھا تھا اور ہزار جان سے عاشق ہو گئے تھے... اس کے بعد سے تم اس کا تعاقب کرتے رہے ہو... کیا سمجھے...؟"

"سمجھ گیا پیر و مرشد۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔"

"کدھر سجدہ کروں... کہ آج ایسے دربار سے سنجیدگی عطا ہو رہی ہے۔ واہ، واہ... ہو جائے قوالی۔"

"بس... جاؤ... وہ ہیڈ روم نمبر سات میں موجود ہے۔"

ہیڈ روم نمبر سات کا مطلب تھا ایک ایسی آسائش گاہ جس سے پرے ہٹ آنے کو کبھی دل ہی نہ چاہتا ہے... وہاں کیا نہیں تھا!

نام تھا ہیڈ روم لیکن حقیقتاً یہ ساری عمارت پر حاوی تھا۔ یعنی کنٹرول کا سنٹر تھا۔

صفدر نے لڑکی کو دیکھا اور محسوس کیا جیسے پہلی بار دیکھا ہو حالانکہ بے ہوشی کی حالت میں بھی کافی دیر تک اسے دیکھ چکا تھا۔

وہ صفدر کو دیکھ کر ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھ گئی۔

صفدر دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔

"تم کون ہو؟" لڑکی نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

"میرے بارے میں کچھ معلوم کر کے تمہیں خوشی نہ ہو گی۔ ہو سکتا ہے میں تمہارے لیے اجنبی ہوں لیکن تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو...!"

"کیا مطلب؟"

"میں نے تمہیں پچھلے سال ایمسٹرڈم کے ہوٹل پالیٹو میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک تمہارا تعاقب ہی کرتا رہا ہوں لیکن تمہارا طرز زندگی مجھے کسی طرح بھی پسند نہ آیا۔ لہٰذا نتیجے کے طور پر تم خود کو یہاں دیکھ رہی ہو۔"

"یہ تمہارا مکان ہے؟"

"ہاں۔ اسے اپنا ہی سمجھو۔"

لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "تم کیوں میرا تعاقب کرتے رہے تھے؟"

"دیوانہ پن سمجھ لو۔"

"تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر میرے ملک کے سفارت خانے کو تمہاری اس حرکت کی اطلاع ہو جائے تو تم کہاں ہو گے؟"

"محبت کرنے والے کسی قسم کی بھی سزا سے نہیں ڈرتے۔"

"اوہ!" اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن پھر پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور پھر بھویں اس طرح سکڑ گئیں جیسے ناپسندیدہ ترین صورتِ حال سے سابقہ ہو۔

صفدر نے اپنے چہرے پر انتہائی رنج کے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی اور غالباً اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

"مجھے رحم آتا ہے تم لوگوں پر۔" لڑکی کچھ دیر بعد ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"آنا ہی چاہیے۔ میں نے تمہارے لیے بہت دکھ جھیلے ہیں!"

"مجھے تمہارے دکھوں سے دلچسپی نہیں لیکن تمہارے بھلے ہی کو بتا ضرور رکھوں گی کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہاری زندگیاں کچے دھاگے سے بندھی ہوئی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"نہیں سمجھ سکو گے۔ کوشش بھی کرو تو یہ ناممکن ہے۔ کیا تم نے ایسا کر کے کچھ اور لوگوں کی دشمنی بھی مول لی ہے؟"

"یقیناً پتا نہیں کب تم سب مارے ڈالے جاؤ گے۔ لہٰذا میرا نیک مشورہ یہ ہے کہ آج رات کو نہایت خاموشی سے مجھے ریسٹ ہاؤس تک پہنچا دو۔"

"اپنی جان پر کھیل کر میرے آدمی وہاں سے لائے تھے۔"

"کچھ بھی ہو... اب ان کی زندگیاں خطرے میں ہوں گی یقین کرو۔"

"آخر کیوں؟ کس طرح... میں نے... میرا خیال ہے کہ تمہیں ہمیشہ تنہا ہی دیکھا ہے۔"

لڑکی نے طویل سانس لی۔ صفدر نے محسوس کیا جیسے اس کے جملے نے کسی معاملے میں اسے مطمئن کر دیا ہو۔ چہرے

پر کچھ دیر پہلے نظر آنے والا دُھند چھٹ گیا تھا۔

"میں سمجھا۔" صفدر سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھے؟"

"تم اپنے گروہ کے چکر میں پڑ گئی ہو جو لڑکیوں سے بُرے کام کرواتا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ صفدر کہتا رہا۔ "لیکن تمہیں قطعی خائف نہ ہونا چاہیئے کیونکہ میں اپنے ملک میں اس کا صفایا کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔"

"تم آخر ہو کون؟"

"ایک سیلانی آدمی۔ اگر پچھلے سال تمہیں نہ دیکھا ہوتا تو اس سال میرا قطب شمالی کا پروگرام ہوتا۔"

"کیا مطلب؟"

"پچھلے سال سے صرف تمہارے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ اب یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ تم نے میرے ہی ملک کو منتخب کیا۔"

"میں بھی تو تمہاری ہی طرح ایک سیاح ہوں۔" لڑکی بولی۔

"لیکن یہ کام...؟"

"میری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں... سیاح کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں کروڑ پتی تو ہوں نہیں۔ اگر کچھ احمق قسم کے لوگ اپنی تھوڑی دیر کی خوشی کے لیے میری ضروریات پوری کر جاتے ہیں تو میرا کیا بگڑتا ہے؟"

"میرے خدا۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"میں بیسویں صدی میں پیدا ہوئی ہوں... ہر دور کی اخلاقیات۔"

"بس... بس...۔" صفدر ہاتھ اٹھا کر یاس انگیز لہجے میں بولا۔ "اب آگے کچھ نہ کہو... ہم مشرقیوں کا معیار اس سے مختلف ہے۔"

"پش...!" وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"دیکھو! میں بھی ایک سیاح ہوں...۔" صفدر کچھ دیر بعد بولا۔ "اور بہت زیادہ دولت مند بھی... میرا خیال ہے کہ یہ دولت ہم دونوں کی سیاحی کے لیے کافی ہوگی... خواہ ہم ساری زندگی سفر ہی میں کیوں نہ رہیں...۔"

"اتنی بڑی پیشکش...!" وہ مسکرائی۔ "کیا میں تمہیں ایسی ہی لگتی ہوں...؟"

"الفاظ میں یقین دلانا میرے بس سے باہر ہے۔"

دفعتاً باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟ آ جاؤ...۔" صفدر اونچی آواز میں بولا۔

دروازہ کھول کر جوزف اندر داخل ہوا اور اٹینشن ہو کر سیلوٹ کرنے کے بعد بولا۔

"یور ہائی نس... سیکرٹری کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

"اس سے کہو، اسٹڈی میں انتظار کرے۔" صفدر غرایا۔

جوزف ایڑیوں پر گھوم کر باہر نکل گیا۔

لڑکی متحیرانہ انداز میں صفدر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں بہت کم یہاں رہتا ہوں... اس لیے انہیں مجھ سے گفتگو کرنے کا موقع بہت کم ملتا ہے...۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

صفدر نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اچھی بات ہے۔ اب ہم لنچ پر ملیں گے۔"

وہ وہاں سے اسٹڈی میں آیا تھا۔ عمران ٹہلتا ہوا ملا۔ صفدر پر نظر پڑتے ہی مضحکہ خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

"کیوں، کیا قصور ہو گیا مجھ سے؟" صفدر بولا۔

"فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہے۔ وہ ذہین آدمی ہوں جو مجھے بہت جانتے ہو۔ تم نے اپنا پارٹ بخوبی ادا کیا ہے۔ یہی توقع تھی تم سے۔"

"آخر چکر کیا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ اس وقت تم نے ایک ماہر قسم کے عاشق کا رول ادا کیا ہے... کیا کھاؤ گے...؟"

"کیا اب آپ میرا مضحکہ اڑائیں گے؟"

"عزیزم القدر...! اگر صاحب اختیار ہوتا تو تمغہ عطا کرتا۔ کسی بہت بڑے خطاب سے نوازتا... خیر... چیونگم...؟"

صفدر نے چیونگم کا پیس اس کی ہتھیلی سے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

"بیٹھ جاؤ... کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" عمران نے اس سے کہا۔

صفدر چیونگم کو آہستہ آہستہ کچلتا ہوا ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔

"ٹھیک ہے...۔" عمران آہستہ سے بولا۔

صفدر کو اس کا انداز کچھ عجیب سا لگا تھا۔ ساتھ ہی اس نے محسوس کیا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہو۔ بوکھلا کر اس نے چیونگم تھوک دی۔ اٹھنا چاہا... لیکن ممکن نہ ہوا... ہاتھ پیروں میں سکت ہی نہیں رہی... آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں۔

⁂

کیپٹن فیاض ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ عمران اسے پہچان نہیں سکے گا کیونکہ اس نے عربوں کی وضع بنا رکھی تھی۔ چہرے پر اتنی گھنی مونچھیں لگائی تھیں کہ دہانہ قریب قریب غائب ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

انگلو لائن کلب کی ایک خوشگوار شام تھی۔

کیپٹن فیاض کے آدمی کئی گھنٹے سے ان دونوں کا تعاقب کر رہے تھے اور بالآخر انہوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ اب وہ دونوں انگلو لائن کلب میں جا بیٹھے ہیں اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ وقت وہاں ضرور گزاریں گے۔ فیاض نے جلد جلد میک اپ کیا تھا اور کلب کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اپنے آدمیوں کو پہلے ہی ہدایت دے دی تھی کہ ان کے قریب کی کوئی میز ہر حال میں خالی ملنی چاہیئے لہٰذا اس کا بھی خیال رکھا گیا تھا اور اب فیاض ان سے اتنا قریب تھا کہ ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکتا۔ عمران بڑے چہکتے موڈ میں نظر آیا۔ چہک رہا تھا۔ ہر چند کہ انداز احمقانہ ہی تھا لیکن زندگی سے بھرپور۔ سر جہرام بات بات پر ہنس پڑتا۔

"تم بڑے اچھے ساتھی ہو۔" وہ عمران سے کہہ رہا تھا۔ "میری زندگی زیادہ تر تنہائیوں کا شکار رہی تھی اور میں پورا دن تمہارے انتظار میں گزار سکتا ہوں۔"

"واقعی...!" عمران بے حد خوش ہو کر بولا۔

"یقین کرو...۔"

"کیا آپ کے اور دوست نہیں ہیں؟"

"کبھی ہوا کرتے تھے... اب نہیں ہیں... سب سے طبیعت بیزار ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے آپ کو دھوکے دیے ہوں۔"

"اونہہ ختم کرو... ہاں تو تم مچھلیوں کے شکار کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"ہم چلیں گے کس دن؟"

"کیوں نہ کل چلو؟"

"کل تو... میرا مطلب ہے... کل میں بہت بزی ہوں گا۔"

"ختم کرو سب کچھ... تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے... مچھلیوں کے شکار کے لیے۔"

"اچھی بات ہے۔" عمران مردہ سی آواز میں بولا۔

"کیوں... تم اتنے مضمحل کیوں ہو گئے ہو یک بیک؟"

"کچھ نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔"

"نہیں۔ بتاؤ مجھے... میں دیکھوں گا کہ تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"بتا دوں... آپ بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ ہم کل چلیں گے آپ کے ساتھ...۔"

"میں کہتا ہوں... مجھے بتاؤ!" سر جہرام میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"میں بتاؤں گا... لیکن یہاں نہیں۔" عمران نے کہا۔

"یہاں کیوں نہیں؟"

"اب آپ تو خواہ مخواہ بحث کرنے لگتے ہیں۔"

"میں نے کیا کہا ہے؟"

"آپ سمجھیے ہی تو... وہ دیکھیے... وہ جو عرب صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"ہاں... وہ کوئی عرب ہی ہے۔ تو پھر؟"

"انہیں دیکھ کر مجھے شرم آ رہی ہے۔"

"کیا بات ہوئی؟"

عمران نے فوراً ہی کچھ نہ کہا۔ فیاض کباب ہو رہا تھا... بے اختیار جی چاہا کہ جو کچھ سامنے پڑے عمران پر پھینک مارے۔ بڑی مضحکہ خیز پوزیشن ہو گئی تھی۔ اس کی دانست میں وہ پہچان لیا گیا تھا۔ "میں نے یہ پوچھا تھا کہ کسی عرب کی موجودگی پر تمہیں شرم کیوں آ گئی ہے؟" سر جہرام عمران سے کہہ رہا تھا۔ "بعض اوقات تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"پتا نہیں کیوں شرم آتی ہے۔ بچپن ہی سے اس کمزوری میں مبتلا ہوں۔ عربوں کو دیکھ کر جھینپتا ہوں۔"

"ہو گا کوئی کمپلیکس... اب ختم کرو اس بات کو... ہاں تو ہم جا رہے ہیں مچھلیوں کے شکار کو۔"

"بالکل۔ بالکل...۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ فیاض غصے کے مارے پاگل ہو رہا تھا۔ ویٹر کو پہلے ہی کافی کا آرڈر دے چکا تھا۔ اس لیے وہ تو زہر مار کرنی ہی پڑی۔ اس کے بعد پھر اسے وہاں نہیں بیٹھنا پڑا تھا۔ ویسے اس غصے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے عمران کی چوبیس گھنٹوں کی نگرانی کے احکامات جاری کر دیے۔ اس کا خیال نہ رکھا کہ اس سلسلے میں اسے پہلے ہی احکامات مل چکے ہیں۔ سمجھایا جا چکا ہے اب عمران کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

"مگر تم آخر چاہتے کیا ہو؟" وہ کسی قدر نرم پڑ گئی۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کچھ دن میرے ساتھ بھی گزار دو۔"

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ ریسٹ ہاؤس کی مالکہ نے میری گمشدگی کی اطلاع سفارت خانے کو دی ہوگی اور سفارت خانے نے یہ معاملہ تمہاری پولیس کے سپرد کر دیا ہوگا۔"

"میں سب کچھ سمجھتا ہوں اور اس سے بھی زیادہ بڑے خطرات کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہوں۔"

"تم عادی معلوم ہوتے ہو خطرناک قسم کے عادی مجرم۔"

"سمجھ لو کچھ بھی... میری خواہشات ہر قیمت پر پوری ہوتی ہیں۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"ایک خوبصورت جزیرہ ہے۔ ہم جب چاہیں گے یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔"

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

صفدر نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرے بجائے اور اس معاملے کے متعلق کیا جاتا تھا۔ اس کی ابتدا لڑکی کے اغوا سے ہوئی تھی اور وہ اس کے مقصد سے ناواقف تھا۔ عمران نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے ایک کلاسیکل عاشق کا رول ادا کرنا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کا نام تک نہیں بتایا تھا اور اب وہ خود اس طرح عجیب و غریب ڈھنگ سے پہنچا ہے۔ اگر وہ کوئی اسکیم تھی تو خود اسے بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت تھی جو کچھ اسے کرنا تھا اس کے متعلق کوئی واضح قسم کا پلان اسے بتایا جاتا۔

صفدر خیالات میں ڈوبا رہا۔ دفعتاً لڑکی بولی۔ "کیا میں خود کو ایک قیدی سمجھوں؟"

"ارے نہیں۔ وہ کیوں؟" صفدر کی زبان سے نکلا ویسے وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس سوال کا جواب کیا ہونا چاہئے۔ "یقیناً... یقیناً ہم ابھی باہر چلیں گے۔ کسی اچھی سی تفریح گاہ میں شام گزاریں گے۔"

لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔

⁂

عمران اب زیادہ تر سر بہرام ہی کے ساتھ دیکھا جاتا... اس وقت وہ اس کی کوٹھی میں بیٹھا اس کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ بڑی اور عمدہ چالیں چلتا۔ سر بہرام کو متحیر کر دیتا لیکن آخر میں مات کھا کر سر بہرام کے لئے بچوں کی سی خوشی فراہم کرتا۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ سر بہرام نے فاتحانہ انداز میں گھورتے جا رہا تھا۔ آخر بولا۔

"بڑے اچھے کھلاڑی ہو لیکن مجھ سے پار نہیں پا سکتے۔"

"یقیناً سر بہرام... آپ کا لوہا ماننا ہی پڑتا ہے۔"

"آؤ پھر ہو جائے ایک بازی۔"

"نہیں سر بہرام۔ آپ کے ساتھ شطرنج کھیلنا میلوں پیدل چلنے کے برابر ہے۔ ذہنی تھکن کے ساتھ ہی جسمانی تھکن بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔"

"تو جواب کیا لیا جائے؟"

"مجھے لیڈی صاحبہ کا عجائب خانہ دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ بڑی تعریف سنی ہے۔ پوری طرح نہیں ہے کہ میں نے دیکھا ہو۔"

سر بہرام نے برا سا منہ بنایا جیسے کچھ سوچ رہا ہو پھر بولا۔ "وہ ان کی عدم موجودگی میں ممکن نہیں ہے۔"

"کہاں تشریف لے گئی ہیں؟"

"جہنم میں۔"

"کیا جھگڑا ہوا ہے کسی بات پر؟" عمران نے مسکرا کر پوچھا۔

"جھگڑا تو اب بھی ہے اس میں مجھ سے جھگڑا کرنے کی...؟" سر بہرام غرایا۔

"تو وہ بھی تو یہی کہہ رہے ہیں سر بہرام..."

"خاموش رہو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

اور عمران سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک ملازم نے آ کر کسی کا کارڈ پیش کیا۔

"اوہ... ہم... اچھا... انہیں بٹھاؤ میں آ رہا ہوں۔" سر بہرام بولا۔

ملازم کے چلے جانے کے بعد اس نے عمران سے کہا۔ "میں تنگ آ گیا ہوں لوگوں کو اپنا کلکشن دکھاتے دکھاتے..."

"اوہ تو کیا کچھ لوگ آپ کی کاریں دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، ابھی تین دن پہلے برازیل کے سفارت خانے کے کچھ لوگوں نے خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے آج وقت دیا تھا۔ چلو، تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"ضرور... ضرور۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے۔ یہاں تین سفید فام غیر ملکی سر بہرام کے منتظر تھے۔

عمران تنقیدی نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا۔ سر بہرام نے خالص رسمی انداز میں انہیں خوش آمدید کہنے کے بعد گیراج کی طرف چلنے کی دعوت دی تھی۔ وہ گیراج کی طرف چل پڑے تھے اور عمران

⁂

صفدر کی آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو رہا تھا... اور سمندر کی پرشور لہریں ساحل سے ٹکرا کر جھاگ اڑا رہی تھیں۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے اس خوبصورت منظر کو دیکھا اور سرور کی ایک لہر سارے جسم میں دوڑ گئی۔ دل چاہا کچھ دیر اور سوتا رہے لیکن... لیکن وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا... اس وقت وہ ساحل سمندر کے قریب پڑی ہوئی ایک بنچ پر لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں مل مل کے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ اسے یاد آیا کہ پچھلی بار وہ رانا پیلس کی اسٹڈی میں بیٹھا ہوا تھا۔ عمران کا دیا ہوا چیونگم کا ٹکڑا یاد آیا جسے چکھتے ہی اس کا سر بھاری ہونے لگا تھا۔ "اوہ... تو یہ عمران صاحب نے ایکسٹو کی فرمائش تھی اس کے ساتھ..." بڑی شدت سے جھنجھلاہٹ ہوئی کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے اس کا احترام کرتا آیا تھا۔ دوسروں کی طرح اس کا مضحکہ نہیں اڑاتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ بھی شرارت ہی کر گزرا... "اب پتا نہیں کہاں لا پھینکا ہے؟" وہ بنچ سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ساحل پر کئی بنچیں پڑی ہوئی تھیں۔ جگہ کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی لیکن صحیح اندازہ نہ کر سکا پھر مشرق کی طرف مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کئی بنگلے نظر آئے...!

"شاید یہ تو روبیرو ہے..." وہ بڑبڑایا۔ اس کی نظر بنچ پر پڑی ہوئی جزیرے پر بھی پڑی ہوئی تھی۔

"آخر کیوں...؟ اسے اس طرح یہاں کیوں لا پھینکا گیا ہے؟" اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ پرس موجود تھا... پرس میں اچھی خاصی رقم بھی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ رانا پیلس میں داخل ہونے سے پہلے پرس اتنا وزنی نہیں تھا۔ بمشکل ڈیڑھ سو روپے رہے ہوں گے لیکن اب تو پانچ پانچ سو کے کئی نوٹ تھے۔ اس نے جیب کو تھپکی دی... اور غروب کا منظر دیکھنے لگا۔ اگر پرس میں نوٹوں کی تعداد بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ اپنے اسی خیال پر قائم رہتا کہ یہ عمران کی شرارت ہے لیکن اب سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کسی مقصد ہی کے تحت ہوا ہے۔ اسے علم تھا کہ روبیرو میں دو ایک اچھے اقامتی ہوٹل بھی ہیں۔ شب بسری کے لئے کہیں انتظام کرنا ضروری تھا۔ وہ بنگلوں کی جانب چل پڑا۔ دفعتاً ایک آدمی پر نظر پڑی جو تیزی سے اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حقیقتاً اسی کے پاس آ رہا ہے۔ صفدر رک گیا۔ اس آدمی نے قریب آ کر بڑے ادب سے کہا۔ "حضور عالی، بیگم صاحبہ بہت خفا ہو رہی ہیں... میری بدنصیبی ہے کہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔"

"تمک... کیا؟..." صفدر اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ عجیب سی بے بسی اس پر طاری تھی۔

لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا... تذکرہ کسی بیگم صاحبہ کا تھا۔ وہ غیر ملکی لڑکی یاد آئی جسے عمران ریسٹ ہاؤس سے اٹھا لایا تھا۔

"تو کیا اب کوئی دوسرا ڈرامہ شروع ہونے والا ہے؟" اس نے سوچا اور اس آدمی کی طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"وہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں جناب عالی!" اس آدمی نے کہا۔

"ہاں۔ اچھا۔ چلو۔" صفدر نے کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک خوبصورت سے بنگلے تک اس نے اس کی رہنمائی کی۔

اب صفدر اپنے اعصاب پر قابو پا چکا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ ایکسٹو کی حیرت انگیز کارگزاریوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے سوچا ہم دونوں ہی دوبارہ بے ہوش کر کے یہاں پہنچائے گئے ہیں۔ مقصد کچھ بھی ہو... وہ مالکانہ انداز کے ساتھ بنگلے میں داخل ہوا۔ غیر ملکی لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز نظر آئی۔ صفدر نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور وہ ایک دم سے غصے پر جھنجھلا آنے لگی۔

"یہ کہاں کی انسانیت ہے۔ یہ کہاں کی شرافت ہے کہ تم مجھے اس طرح ذلیل کر رہے ہو بے ہوش کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے ہو۔"

"میرا خیال ہے اس جزیرے کو تم پسند کرو گی۔"

"میں پوچھ رہی ہوں تم مجھے اس طرح کیوں گھسیٹ رہے ہو؟" وہ پہلے سے بھی اونچی آواز میں چیخی۔

"اچھی بات ہے۔" صفدر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا مطلب؟ کیا میں تمہاری قیدی ہوں؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں تو تمہارے نام تک سے واقف نہیں ہوں۔"

"اوہو۔"

"یقین کرو۔ میں تمہیں ہمیشہ دوری سے دیکھتا رہا ہوں۔ اپنے ملک میں پہنچنے سے پہلے میں نے کبھی اس کی بھی کوشش نہیں کی کہ تم مجھے کسی دوسرے موقع پر پہچان سکو۔ بار بار تمہاری نظروں سے گزرتا رہوں گا لیکن عام آدمیوں کی بھیڑ میں مل کر۔"

اردو فینز ڈائجسٹ.کام

سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے! سر بہرام نے کھڑکی ہی کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ غیر ملکیوں سے گفتگو کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اندھیرے میں گھورتا رہا پھر خود بھی برآمدے سے نیچے اُتر کر ان کے پیچھے جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پشت سے آواز آئی۔

"تم ٹھہرو۔"

بڑی مترنم آواز تھی لیکن عمران کے لیے نئی نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ براہ راست دونوں کا تعارف نہ ہوا ہو لیکن بھلا سر بہرام کے قریب رہ کر لیڈی بہرام سے ناواقفیت کا کیا سوال! وہ نہ صرف ٹھہرا تھا بلکہ کسی قدر خم ہو کر ان کے لیے احترام کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔

وہ قریب آکر بولی۔ "تم عجائب خانہ دیکھنا چاہتے ہو؟"

"جی... جی... ہاں..." عمران نے بوکھلاہٹ کے پردے میں بناوٹی بوکھلاہٹ کو چھپانے کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ "ہم... یعنی... وہ... دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ارے... تو تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟" وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرائی۔

لیڈی بہرام مجموعی طور پر ایک دلکش عورت تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس سال رہی ہوگی۔ سر بہرام کی دوسری بیوی تھی۔ پہلی بیوی لاولد ہی مری تھی اور اس شادی کو بھی دس سال گزرے تھے لیکن ابھی تک اُن کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔" لیڈی بہرام کہہ رہی تھی۔ "میں تمہیں اپنا عجائب خانہ دکھاؤں گی۔ میں نے سن لی ہے تمہاری خواہش۔ سر بہرام نہ میرے دوستوں سے ملنا پسند کرتے ہیں اور نہ یہی چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی دوست مجھ سے ملے۔"

عمران اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ عمارت کے ایک گوشے میں پہنچ کر لیڈی بہرام رُک گئی۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟" اس نے عمران سے کہا اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے اب تک خود کو تنہا سمجھ رہا ہو۔

"ام... میں... دراصل... ڈر... رہا ہوں۔"

"کیوں؟ کس بات سے ڈر رہے ہو۔ ڈر کیسا؟" لیڈی بہرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ... دراصل... ہم... میرا خیال ہے۔"

"ہاں... ہاں... کہو رک کیوں گئے؟"

"میرا خیال ہے۔ سر بہرام نہیں چاہتے تھے کہ میں آپ کا عجائب خانہ دیکھ سکوں۔"

"یقیناً وہ نہ چاہیں گے۔ میں ابھی تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ قطعی نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی دوست مجھ سے بھی ملے۔"

"یہ... بڑی عجیب بات ہے۔"

"قطعی عجیب بات نہیں... ان کے دوست میرے دوست بن جاتے ہیں اور یہ بات انہیں پسند نہیں۔ جو میرا دوست بنا اس سے انہیں قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"بھلا میں کیا جانوں۔ اس کی وجہ وہ خود ہی بتا سکیں گے۔ میں نے تو کبھی نہیں چاہا کہ میرے دوست ان سے دور رہیں۔ فی الحال تم ان کے اکلوتے دوست ہو۔"

عمران احمقانہ انداز میں ہنس پڑا۔

"ہنسو نہیں۔ جب بھی انہیں معلوم ہوگا کہ تم میرے بھی دوست ہو تو بڑی بے رُخی سے تمہیں دھتکار دیں گے۔"

"او اچھی۔" عمران نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اس اطلاع نے اسے بڑا صدمہ پہنچایا ہو۔

"ہاں۔ میں بہت عرصے سے دیکھ رہی ہوں۔"

"تب تو مجھے فوراً گیراج کی طرف پہنچ جانا چاہیے۔"

"تم ضرور جاؤ لیکن میں تمہیں آج ہی اپنا عجائب خانہ ضرور دکھاؤں گی۔"

"اگر انہیں معلوم ہو گیا تو؟"

"تم احتیاط برتو گے تو کبھی معلوم نہ ہو سکے گا۔"

"اچھا... بہت اچھا... بالکل..." عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں وہاں سے جھپٹتا ہوا بولا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں سے سرپٹ دوڑتا ہوا گیراج تک جائے گا۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ اس کی حرکت کا ردعمل لیڈی بہرام پر کیا ہوا تھا!

گیراج میں وہ لوگ کاروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ عمران کی آمد پر سر بہرام چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ انداز ایسا تھا جس سے عمران یہی سمجھا تھا جیسے وہ اس کے پیچھے رہ جانے پر تشویش میں مبتلا رہا ہو۔

"میں ذرا باتھ روم میں رک گیا تھا۔" عمران نے اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا اور وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر غیر ملکیوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد غیر ملکی لوگ رخصت ہو گئے۔ عمران نے بھی ان کے ساتھ ہی سر بہرام سے جانے کے لیے اجازت طلب کی تھی لیکن اس نے کہا تھا وہ دونوں ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔ عمران نے بے بسی طاری کر لی تھی اپنے چہرے پر اور سر بہرام ہنس پڑا تھا۔

"میری ہر خواہش کے سامنے سر جھکا دیا کرو بچے۔ اگر میری دوستی کے خواہش مند ہو۔" اس نے کہا۔

"بہت اچھا۔" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہہ کر ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھا اب میں جاؤں گا باتھ روم تک۔ تم ڈرائنگ روم میں میرے منتظر رہو۔"

وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا گیراج سے چلا گیا۔

عمران نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور اسے پھاڑتا ہوا آہستہ آہستہ روش پر چلتا رہا۔ اتنی دیر میں سر بہرام نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ پھاٹک کے قریب غیر ملکیوں کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ بونٹ اٹھا ہوا تھا، شاید انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

دو آدمی انجن پر جھکے ہوئے تھے اور تیسرا روش میں ٹہل رہا تھا۔

عمران نے دیکھا کہ وہ اسی موڑ پر ٹہلنے کے سے انداز میں عمارت کی طرف جا رہا ہے۔ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی جس کی طرف عمران دھیان دیتا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت عمارت کی ایک کھڑکی کھلی اور کھڑکی سے باہر آنے والی روشنی میں کوئی چیز نظر آئی جو کھڑکی سے پھینکی گئی تھی۔

عمران نے ہلکی سی چیخ کی آواز بھی سنی تھی ساتھ ہی تیسرا غیر ملکی اسی طرف تیزی سے جھپٹتے دیکھا۔ وہ جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ اندھیرے میں بھی غیر ملکی کا ہیولیٰ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے جھک کر کوئی چیز اٹھائی تھی اور پھر سیدھا ہو کر تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس کے پھاٹک کے قریب پہنچتے ہی بونٹ گرا دیا گیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے اور پھر انجن اسٹارٹ ہونے میں بھی دیر نہ لگی۔ گاڑی پھاٹک سے رینگ گئی تھی۔ عمران کھڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اب بھی کھلی نظر آئی تھی پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوبارہ بند ہو گئی۔ عمران کی مٹھیاں کئی بار بھنچیں اور کھلیں لیکن قدم وہیں پر جمے رہے۔ چیونگم کا پیکٹ اس نے دوبارہ جیب سے نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر تیز تیز ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑا۔ ڈرائنگ روم سے وہ ڈائننگ روم میں پہنچے تھے...

"آج صرف بیئر پیو۔" سر بہرام مسکرا کر بولا۔ "میری میز پر ایک وقت میں صرف ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ آج بیئروں کا دن ہے۔ کھانا کتنی کھا سکتے ہو؟"

"ارے بیئر۔" عمران حقارت سے بولا۔

"کیا مطلب؟" سر بہرام نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ اور بیئر پئیں۔" عمران نے کہا اور کھسیانا سا ہنسنے لگا۔

"کیا بکواس ہے؟" سر بہرام جھلا ہٹ میں کرسی سے اٹھ گیا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ بیئر پینا آپ کے شایانِ شان نہیں۔ فرانسیسی وہسکی... مجھ جیسے آپ جیسے بڑے آدمی کی میز پر تو مستقل نئے ہونے چاہئیں۔ ہم آتا جا... سر بہرام بار دو دولا

24 گھنٹے
ایمرجنسی ایمبولینس سروس
ڈاکٹر اور نرس کے ساتھ تمام طبی سہولتوں سے آراستہ ایمبولینس
فون: 716546-716547
تاج میڈیکل کمپلیکس ایم اے جناح روڈ۔ کراچی
REPCOM

اور کھانے ہی بٹیریں... لاحول ولاقوۃ... بلکہ استغفراللہ...!؟

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

"نہیں تھا تو اب خراب ہو جائے گا آپ کو بٹیر کھاتے دیکھ کر... ماؤ بھی کوئی بات ہوئی!" عمران نے بے حد ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

یک بیک سر بہرام بھی بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔ وہ عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے چیخ کر کہا۔ "کھاؤ!"

"میں تو ہرگز نہیں کھاؤں گا!" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں سچ مچ تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا... مجھے غصہ نہ دلاؤ... کھاؤ... تمہیں کھانی پڑیں گی بٹیریں...!"

"زبردستی! مجھے پسند نہیں ہے سر بہرام!"

سر بہرام پھر عمران کو ایسے ہی انداز میں دیکھنے لگا جیسے سچ مچ اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"اچھا تم بیٹھو... میں... میں تمہارے لیے کچھ اور لاتا ہوں!" سر بہرام اٹھتا ہوا بولا۔

"ہاں... سور بھی کھاؤں گا...!" عمران سر ہلا کر بولا۔

سر بہرام کمرے سے چلا گیا۔ واپسی میں بھی دیر نہیں لگی لیکن وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ بھدی ساخت والا خوفناک ریوالور مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ اس نے اس کا رخ عمران کی طرف کرتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اب تو تمہیں یہ ساری بٹیریں تنہا کھانی پڑیں گی ورنہ گولی مار دوں گا!"

عمران کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دیکھنے میں بے بس لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی ہو۔ میز پر دونوں ہاتھ رکھے ایک ٹک ریوالور کو دیکھے جا رہا تھا۔ چہرے پر انتہائی درجہ خوفزدگی کے آثار تھے۔

"کھاؤ!" سر بہرام پھر چیخا۔

عمران نے ہاتھ بڑھا کر ایک بٹیر اٹھائی اور کھانے لگا... موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے امڈ امڈ کر گالوں پر ڈھلک رہے تھے۔ وہ ایک کے بعد دوسری بٹیر اٹھاتا رہا اور آنسو اسی رفتار سے بہتے رہے۔ دفعتاً سر بہرام نے ریوالور کو ایک طرف ڈال دیا اور عمران کو بھینچ بھینچ کر کہنے لگا۔ "چپ ہو جاؤ... میرے بیٹے... میرے بچے... مجھے معاف کر دو... مجھے غصہ آ گیا تھا... تم بچے ہی تو ہو... ایک ننھے سے بچے میرے اپنے بچے...!"

اور پھر سر بہرام نے بھی رونا شروع کر دیا۔

عمران نے ہاتھ کی بٹیر بھی رکھ دی تھی اور بالکل ساکت اور صامت بیٹھا پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھورے جا رہا تھا۔ سر بہرام اس کی گردن میں بازو ڈالے سر جھکائے ہچکیاں لیتا رہا۔ ملازم جو انھیں سرو کر رہا تھا کبھی کا وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ سر بہرام کی ہچکیاں اور سسکیاں ڈوبتی جا رہی تھیں۔ عمران جیسے پہلے بے حس و حرکت بیٹھا رہا تھا۔ اسی پوزیشن میں اب بھی تھا۔ کچھ دیر بعد سر بہرام بالکل ہی پرسکون ہو گیا اور عمران سے الگ ہٹ کر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ خاموش تھا اور اب عمران سر جھکائے انگلی سے میز کی سطح کو کرید رہا تھا۔

"میں بہت بدنصیب آدمی ہوں!" کچھ دیر بعد سر بہرام نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری پچھلی زندگی ایک دکھتا ہوا پھوڑا ہے... یہ پھوٹتا ہے اور مواد اتنا رستا ہے کہ میرے سارے وجود کو دکھا دے۔ میں خفا ہو جاؤں!"

عمران کچھ نہ بولا۔ سر بہرام کہتا رہا۔ "میں کبھی کبھی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہوں لیکن تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیوں پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا!" عمران گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"مجھے بتاؤ۔ تمہیں کیا دکھ ہے؟"

"مجھے کوئی دکھ نہیں ہے!"

"پھر تم ایسے کیوں ہو؟"

"میں نہیں جانتا... میں اپنے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا!"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

عمران کچھ نہ بولا۔

سر بہرام نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ کرنا چاہتا ہوں کسی کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں جیسے میں اپنا کچھ کھو چکا ہوں!"

عمران اب بھی خاموش رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے بات کرنا آتا ہی نہ ہو۔

"کیا تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو؟"

"ن... نہیں... تو...!"

"یقین کرو۔ میں پورے خلوص کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں!"

"کیا کریں گے آپ میرے لیے؟"

"پہلے تم مجھے بتاؤ! کیا دکھ ہے تمہیں؟"

"خدا کا فضل ہے... البتہ میں مہمان کے لیے پریشان رہتا ہوں!"

"یہ کون ہے؟"

"سخت نالائق ہے!"

"تم سے کیا رشتہ ہے؟"

"ایک بار پھر اللہ کا فضل ہے کہ اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں!"

"کیا بات ہوئی؟"

"وہ میرا ملازم ہے!"

"پھر کیا بکواس شروع کر دی تم نے؟"

"یقین کیجیے۔ میرے سارے سوٹ تباہ کر رہے ہیں میری عدم موجودگی میں انھیں بے دریغ استعمال کرتا ہے!"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے نکال باہر کرو اسے!"

"یہی تو مصیبت ہے کہ نکالتے ہوئے دل دکھتا ہے!"

"اچھا بتاؤ۔ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟"

عمران کی شرمانے کی ایکٹنگ قابلِ داد تھی۔

"ہوں، بتاؤ!"

"کیا بتاؤں!" عمران مردہ سی آواز میں بولا۔ "ایک شادی کروں تو پھر دوسری کرنے کو جی چاہے گا... پھر تیسری... پھر چوتھی... کون جیتے اس جنجال میں!"

"اب تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو!" سر بہرام کا لہجہ درشت تھا۔

"نہیں ہرگز نہیں... آپ یقین کیجیے!"

"ہاں... یہ میری دوسری بیوی ہے پہلی بیوی کی موت کے بعد ہرگز شادی نہ کرتا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ شاید اسی سے کوئی بچہ ہو جائے!"

"سر بہرام! اس کے لیے غلط نہ سمجھیے... میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا!"

"ٹھیک ہے..." سر بہرام نے کہا اور سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا اب مجھے نیند آ رہی ہے!"

"سر بہرام۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو دکھ پہنچا... پتا نہیں کیوں میں کبھی کبھی بہک جاتا ہوں!" عمران نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں معلوم کروں گا کسی نہ کسی طرح کہ تم ایسے کیوں ہو!" بہرام بولا۔

عمران ایسی شکل بنائے رہا جیسے اس جملے کا مفہوم اس کی سمجھ سے باہر ہو۔ بہرحال وہ وہاں سے چل پڑا۔ پورچ میں اس کی ٹو سیٹر موجود تھی۔ اسٹارٹ کر کے پھاٹک کے باہر نکالا اور گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ رات کے نو بجے تھے۔ سڑک قریب قریب سنسان ہی تھی۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ ایک تیز رفتار گاڑی کو جو پشت سے آ رہی تھی راستہ دینا پڑا۔ وہ قریب سے نکلی چلی گئی اور پھر کچھ آگے جا کر اس کے بریک چرچرائے اور ایک دم رک گئی۔ عمران نے بھی بریک لگانے میں پھرتی نہ دکھائی ہوتی تو اس کی گاڑی اگلی گاڑی سے ٹکرا گئی ہوتی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی گاڑی سے اتر چکا تھا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں... یہ میں ہوں...!" گاڑی سے آواز آئی اور یہ لیڈی بہرام کی آواز کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

"آپ... لیڈی کر... آپ!" وہ گاڑی کے قریب جا کر ہکلایا۔

"ہاں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آج تمہیں اپنا عجائب خانہ ضرور دکھاؤں گی!"

ایک موٹر سائیکل کے ہارن کی آواز پر عمران چونک کر مڑا۔ اس کے نکلنے کے لیے راستہ نہیں تھا۔

عمران نے ہاتھ ہلا کر پیچھے کی جانب اشارہ کیا اور پھر لیڈی بہرام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ موٹر سائیکل سوار کیپٹن فیاض یا اس کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔

اس نے موٹر سائیکل پیچھے ہی روک دی تھی اور آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

"مگر... لیکن...!" عمران ہکلایا۔

"لیکن۔ ویکن کچھ نہیں۔ میں جو کچھ بھی سوچتی ہوں کر گزرتی ہوں چلو میرے ساتھ!"

"مگر... کہاں؟"

"عجائب خانے چلیں۔ جو وہاں واپس نہیں جا سکتے اور پھر عجائب خانہ یہاں اس عمارت میں تھوڑا ہی ہے۔ وہ دوسری جگہ ہے جہاں میں نے کچھ تھوڑی سی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں میں نے!"

"لیکن سر بہرام!"

"فکر بھی نہ کرو۔ اگر تم احتیاط برتو گے تو انھیں معلوم بھی نہ ہو سکے گا۔ تم میرے بھی دوست ہو!"

"اچھا... تو... لیکن...!"

"کچھ نہیں... چپ چاپ میری گاڑی کے پیچھے چلے آؤ!"

"یہ بہت اچھا... لیکن سر بہرام...!"

"اوہ۔ تم فکر نہ کرو... سب ٹھیک ہے۔ میں دیکھ لوں گی۔ تم بیٹھو جا کر اپنی گاڑی میں!"

عمران اپنی گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔

وہ اپنی گاڑی سیدھی کر چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں گاڑیاں آگے پیچھے جا رہی تھیں۔ دُوسری سڑک پر پہنچتے ہی عمران نے محسوس کیا کہ موٹر سائیکل اب بھی تعاقب میں ہے۔ اس نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی اور چیونگم کچلنے لگا۔ لیڈی بہرام کی گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی اور وہ ایسی ہی سڑکوں سے گزر رہی تھی جن پر رات میں بھی زیادہ ٹریفک نہیں رہتا تھا۔ موٹر سائیکل کا ہیڈ لیمپ عقب نما آئینے میں برابر نظر آتا رہا۔ شاید تین چار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد لیڈی بہرام کی گاڑی ایک عمارت کے قریب رکی۔ عمران نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے وقت موٹر سائیکل کا خیال رکھا۔ دونوں گاڑیوں کے رک جانے کے بعد موٹر سائیکل آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ لیڈی بہرام اپنی گاڑی سے اُتری نہیں تھی اور نہ اس نے ہارن ہی بجایا تھا۔ ہارن دیئے بغیر کسی نے کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھول دیا اور گاڑی اندر رینگ گئی۔ عمران کو بھی تقلید ہی کرنی پڑی... اس کی گاڑی گزر جانے کے بعد پھاٹک دوبارہ بند کر دیا گیا۔ کمپاؤنڈ زیادہ وسیع نہیں تھی اور عمارت بھی مختصر ہی سی ثابت ہوئی۔ لیڈی بہرام نے برآمدے کے قریب گاڑی روکی اور نیچے اُتر گئی۔ عمران نے اپنی گاڑی روک تو دی تھی لیکن اندر ہی بیٹھا رہا تھا۔

"اب کیا گود میں لے کر اُتارنا پڑے گا؟" لیڈی بہرام نے قریب آ کر کہا۔

"ار ر ر... جی نہیں۔ ایسا نہ کیجئے گا۔" عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور جلدی سے نیچے اُتر آیا۔

"چلو۔ اب میرا انتظار کیا کر رہے ہو؟"

"جی اچھا۔" عمران نے کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔

یہ نشست ہی کا کمرہ تھا۔ سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر جگہ جگہ خوب صورت پینٹنگز نظر آ رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" لیڈی بہرام بولی۔

عمران نے کچھ ایسی ایکٹنگ شروع کر دی جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اسے کہاں بیٹھنا چاہیئے!

"ادھر بیٹھ جاؤ۔" لیڈی بہرام نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"جی بہت اچھا۔"

لیڈی بہرام خاموشی سے اسے گھورتی رہی۔ عمران سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لیکن احساس تھا کہ وہ ایک ٹک گھورے جا رہی ہے۔

"میں سوچ رہی ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد بولی۔ "تم اس عمر میں بھی اتنے معصوم کیوں نظر آتے ہو؟"

"جج... جی...!" عمران چونک پڑا۔

"تمہارے چہرے پر اتنا بھولا پن کیوں ہے؟"

"جی... اسی... اسی... میں کیا بتاؤں...؟" عمران نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا اور جھینپ کر سر جھکا لیا۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔"

"جی...!" عمران نے سر اُٹھایا۔ نظریں ملیں اور عمران نے پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

"تم اب تک کہاں پائے جاتے تھے؟ مجھے افسوس ہے کہ پہلے تم سے کہیں ملاقات کیوں نہ ہوئی؟"

عمران کچھ نہ بولا۔

لیڈی بہرام کہتی رہی۔ "میں نے سُنا ہے کہ تم نے کوئی پرانی گاڑی سر بہرام کے ہاتھ فروخت کی ہے؟"

"جی... میں نے فروخت نہیں کی۔ انہوں نے زبردستی خریدی ہے۔ میں نہیں بیچنا چاہتا تھا۔"

"مجھے بھی معلوم ہوا تھا۔"

عمران پھر خاموش رہا۔

"یہ میرا حقیقی عجائب خانہ ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بولی اور عمران چاروں طرف دیکھنے لگا۔

وہ ہنس پڑی۔ عمران کے چہرے پر حیرت کے آثار دکھائی دیئے۔

"تعجب نہ کرو... یہاں تمہیں میرے علاوہ اور کوئی چیز عجیب نظر نہ آئے گی..."

"جج... جی... میں نہیں سمجھا۔"

"کیا واقعی تم اتنے ہی بھولے ہو؟" لیڈی بہرام نے کہا اور اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ نشیلی نظر آنے لگیں۔

"م... میں... مطلب یہ کہ۔"

"خیر چھوڑو۔ کہاں پہنچ گئے؟"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا... میں کیا کروں...؟" عمران اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

"کیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟"

"سر بہرام نے بٹیریں کھلانے کے لیے ریوالور نکال لیا تھا اور اب آپ کچھ چلانے کے لیے کہہ رہی ہیں؟"

"ریوالور نکال لیا تھا؟" لیڈی بہرام نے حیرت سے دُہرایا۔

"جی ہاں... میرا ہارٹ فیل ہوتے ہوتے بچا۔"

"آخر بات کیا تھی؟"

"م... مجھے بٹیروں سے گھن آتی ہے۔ میں نے کہا میں نہ کھا سکوں گا۔ کہنے لگے کھانی پڑیں گی... میں نے کہا واہ یہ اچھی زبردستی ہے۔ بس مشتعل ہو کر ریوالور نکال لیا۔ کہنے لگے گولی مار دوں گا... جی ہاں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کیا وہ کبھی کبھی صحیح الدماغ نہیں رہتے؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"کہنے لگے تم بھی میری طرح سنکی ہو۔ بھلا آپ ہی بتایئے کیا میں آپ کو سنکی معلوم ہوتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں... تم تو اچھے خاصے ہو... بہت پیارے سے۔"

"ارے نہیں۔" عمران نے پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر لیڈی بہرام نے کہا۔ "یہ میرا قطعی نجی مکان ہے۔ چلو تمہیں دکھاؤں۔"

عمران اُٹھ گیا۔

نشست کے کمرے سے وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔

"تم بہت خاموش ہو، اب کچھ دیر یہاں بیٹھو۔ تم نے بتایا نہیں کہ رات میں کون سی پیتے ہو؟"

"بھینس والی۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا گرما گرم دودھ پی کر سو جاتا ہوں۔"

"احمق!" وہ ہنس پڑی۔

عمران چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سچ مچ نہیں پیتے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"میری دانست میں تو پینا ہی بڑی عجیب بات ہے۔"

"کیوں؟"

"اچھے بھلے آدمی کی مدہوشی... مدہوشی جو خود ہی اپنے اوپر مسلط کی جائے حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟"

"کبھی پی کر دیکھو... پھر ایسی باتیں نہیں کرو گے۔"

"میرا خیال ہے کہ پی کر آپ کو اخلاقیات پر لیکچر پلانے لگوں گا۔ میرے انکل تو پی لینے کے بعد شہر کے سب سے نیک بندے بن جاتے ہیں۔ گھنٹوں تک اخلاقیات کا لیکچر دیتے رہتے ہیں۔"

"چچا پیتے اور بھتیجا محروم... یہ تو اچھی بات نہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ختم کرو یہ باتیں... میں تمہیں کیسی لگی ہوں؟"

"آپ...!" عمران زبان پھیر کر رہ گیا۔

"ہاں... ہاں... خاموش کیوں ہو گئے؟"

"میں کیا بتاؤں؟" عمران نے احمقانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔

"کیا میں بدصورت ہوں؟"

"نن... نہیں... جی نہیں... ہرگز نہیں۔"

"تو پھر اتنی دُور کیوں بیٹھے ہو؟ میرے قریب آؤ۔"

"وہ... وہ... غالباً میں نے میٹرک میں پڑھا تھا کہ خوبصورتی دُور سے دیکھنے کی چیز ہے۔"

"لکھنے والا گدھا تھا۔"

"تو پھر رہا ہو گا مجھے کیا؟"

"یہاں... ادھر... اس کرسی پر آؤ۔"

"م... مطلب یہ ہے...؟"

"ڈرو نہیں۔ سر بہرام یہاں سے میلوں دُور ہیں۔"

"لل... لیکن..."

"تم عجیب آدمی ہو۔" وہ جھنجھلا گئی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اسے گھورتی رہی پھر اُٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھی بات ہے۔ میں خود ہی آ رہی ہوں تمہارے پاس۔"

"وہ... وہ... دیکھئے... سر بہرام..."

"سر بہرام کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا کہ تم یہاں ہو... یہ عمارت ان کے علم میں نہیں ہے۔"

"او ہو!"

"تمہیں اس پر حیرت ہے؟"

"جی ہاں... بہت زیادہ..."

"کیا ضروری ہے کہ وہ میری زندگی کے ہر پہلو سے باخبر ہوں؟"

"لیکن انسان کو بے خبر بھی نہ ہونا چاہیئے۔"

"ارے تم کہاں کی باتیں نکال بیٹھے! تمہیں اس سے کیا سروکار؟"

"وہ میرے دوست ہیں۔"

"کتنے عرصے سے؟" لیڈی بہرام کا لہجہ بے حد تلخ اور طنزیہ تھا۔

"زیادہ دن نہیں ہوئے۔"

"تم آخر..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ غالباً کسی سوچ

میں پڑی تھی۔ عمران کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

اس عمارت کی چہار دیواری اتنی اونچی تھی کہ کھڑکی سے سڑک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ لیڈی بہرام اس کے بہت قریب آ گئی ہے۔ پھر اس کا جسم اس کے شانے سے مس ہونے لگا۔

"ارے... ارے... تم کانپ کیوں رہے ہو...؟"

لیڈی بہرام ہنس پڑی۔

"م... میرا... سس... سر چکرا رہا ہے۔" عمران گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"بیٹھو۔"

"یقین کیجئے... ارے... ارے میں... گرا... مم... میں... گا... گرا..."

وہ مجھو ستا ہوا فرش پر آ گرا...

لیڈی بہرام اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آوازیں دے رہی تھی۔

◆

لڑکی نے صفدر کو اپنا نام مازلین بتایا تھا... سوئیڈن کی باشندہ تھی۔ اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ معلوم کر سکا... دراصل دوسرے احکامات ملنے تک وہ مختاط رہنا چاہتا تھا۔ پچھلی شام انھوں نے ایک اچھے ہوٹل میں گزاری تھی۔ رات گئے تک وہ دونوں رقص کرتے رہے تھے۔ وہ کئی قسم کے رقص بڑی خوبی سے کر سکتی تھی۔ صفدر ہی اناڑی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھول گئی تھی کہ صفدر تک کس طرح پہنچی تھی۔ صفدر نے تو یہی محسوس کیا تھا جیسے اب اس کے ذہن پر اس کے بارے میں کوئی بُرا اثر باقی نہ رہا ہو۔

رات گئے وہ وحشت میں واپس آئے تھے۔ صبح کو وہ پھر کچھ بیزار بیزار سی دکھائی دی۔ صفدر نے سبب پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس وقت وہ ناشتے کی میز پر تھے۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" مازلین نے اس سے پوچھا اور صفدر دل ہی دل میں عمران کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ آخر کیا بتانے سے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟

"تم آخر پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ کیا تمہیں یہ ایڈونچر پسند نہیں ہے؟"

"ایڈونچر۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟"

"کیوں... پاگل کیوں؟"

"ارے تو کیا میں نے اپنی خوشی سے یہ سب کچھ کیا ہے کہ اسے ایڈونچر سمجھوں؟"

"کیا تمہیں کسی بات پر مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"یقیناً تم صحیح الدماغ نہیں ہو... میں نہیں جانتی تم کون ہو اور تم نے میری مرضی کے بغیر اپنے ساتھ رکھ چھوڑا ہے مجھے پھر بھی مجبور نہیں سمجھتے۔"

"میں کہتا ہوں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ... آج ہم یقیناً دن کسی اچھے ساحل پر گزاریں گے۔"

"نہیں۔ پہلے تم مجھے مقصد بتاؤ۔"

"تمہیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کتنے عرصے تک دیکھو گے؟"

"اگر ساری زندگی دیکھتا رہوں تب بھی شاید ہی جی بھرے۔"

"ایسی باتوں سے مجھے مطمئن نہیں کر سکتے۔"

"چھوڑو بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھیں... یہ جھینگے کھاؤ۔ ان جھینگوں کے چھلکے بے حد لذیذ ہوتے ہیں۔"

وہ بیزاری سے [illegible] کھاتی رہی۔

صفدر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ تمہاری گمشدگی کے بارے میں اخبار قیامت برپا کر دیں گے لیکن یہاں کے کسی اخبار میں معمولی سی خبر بھی نہیں دیکھی۔"

"اخبارات کو ایک غیر ملکی لڑکی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!"

"تمہارے سفارت خانے کو تو باقاعدہ طور پر تمہارا حلیہ جاری کرنا چاہئے تھا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔ صرف حیرت ظاہر کر رہا ہوں۔"

وہ اُسے تولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ تم نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔"

"اوہو... خطرہ... ہونہہ۔" صفدر تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا۔

"میرے بعض دوست تمہاری تلاش میں ہوں گے۔ بلکہ وہ مجھے شہر میں تلاش کر رہے ہوں گے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا... وہ خطرناک لوگ ہیں۔"

"اس جزیرے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہ سکے گا۔"

"اگر میں ذرہ برابر بھی کسی سے خائف ہوتا تو پچھلی رات اس طرح اس ہوٹل میں تمہارے ساتھ رقص نہ کرتا۔"

"ہر بے وقوف آدمی تمہاری ہی طرح دلیر ہوتا ہے۔"

"میں کہتا ہوں۔ اب ختم بھی کرو اس قصے کو... میں آنے والے لمحات کے بارے میں کچھ سوچنے کا عادی نہیں..."

"پتا نہیں کیوں مجھے تم سے ہمدردی ہے!"

"بس تو پھر۔"

"نہیں۔ میری بات پوری سنو۔ تم اپنی اس حرکت کے باوجود بھی ابھی تک ایک اچھے آدمی ثابت ہو رہے ہو۔"

"ہوں... تو پھر..."

"میں قطعی پسند نہ کروں گی کہ تم مار ڈالے جاؤ۔"

"بہت عرصے سے موت کی تلاش میں ہوں۔" صفدر بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"یقین کرو میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔" وہ جھلا کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔ میں نے یقین کر لیا کہ مار ڈالا جاؤں گا۔"

"اور تمہیں اس سے ذرہ برابر خوف نہیں معلوم ہوا۔"

"اگر تمہارے وہ دوست میرے دشمن ہیں تو وہ [illegible] مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔"

"نہیں وہ بھی میری ہی طرح غیر ملکی ہیں۔"

"تب تو مجھے انھیں مار ڈالنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوگی۔"

"جہنم میں جاؤ..." اس نے جھلا کر کہا اور کافی کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔

◆

دوسری صبح عمران نے محسوس کیا کہ وہ اس عمارت میں قیدی ہے۔ بڑے اطمینان سے اس نے پچھلی رات بے ہوشی میں بسر کی تھی اور لیڈی بہرام کی زبان سے اپنے لیے بھی بے تکی کے کلمات سنے تھے اور کئی گالیاں بھی سنی تھیں... اُسے ہوش میں لانے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ کبھی ناک میں چٹکی کرتی اور کبھی ایسی سخت قسم کی چٹکیاں لیتی کہ عمران کی چیخیں نکل جاتیں۔ آنکھوں میں تارے ناچ ناچ اٹھتے... لیکن وہ تو اس کو جھنجھلاہٹ آتی تھی اور تکلیف کی شدت سے وہ بلبلا اٹھا تھا۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ ایسی زبردست چٹکیاں تو کسی بھینس کو بھی فارسی بولنے پر مجبور کر سکتی تھیں۔ پھر تھک ہار کر لیڈی بہرام نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور اس نے وہ رات ڈرائنگ روم کے ٹھنڈے فرش پر بسر کی تھی... صبح کسی نے اُسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خود ہی اللہ کا نام لے کر اٹھ بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دیکھیں، قسمت میں کیا لکھا ہے! دفعتاً [illegible] کے دروازے تک آیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں رائفل کی نال پہلے سے آگے آئی اور ایک خونخوار پٹھان کا چہرہ دکھائی دیا۔

"صاب! باہر نہیں جا سکتا۔" اس خونخوار چہرے سے غراہٹ منتشر ہوئی۔

"اچھا صاب۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن ذرا دوڑ کر جاؤ اپنے کی تمہاری اور دو عدد تنوری روٹیاں لیتے آؤ... کیونکہ ہم سخت تشدید میں مبتلا ہیں۔"

"خوچہ... ادھر تمہارا نہیں چلتا صاب..."

"اچھا تو پھر ہمارے کفن دفن کا انتظام کرو۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیونکہ پچھلی رات ہم بغیر بازانی کے کراچی میں جلیبہ کر بیٹھے تھے۔"

"ادھر کفن دفن بھی نہیں ہوتا... تم اندر بیٹھو صاب۔"

"کھانے پینے کا راج بھی ہے ادھر! نہیں؟"

"ام کچھ نہیں جانتا..."

"لیڈی صاحبہ کدھر ہیں؟"

"ام نہیں جانتا۔"

"تمہاری شادی ہو گئی ہے یا نہیں؟"

"ابی نئی۔"

"اللہ نے چاہا تو ہو جائے گی۔"

پٹھان کچھ نہ بولا۔ عمران کہتا رہا۔ "ایسے ایسے تعویذ ہیں ہمارے پاس کہ بس کیا بتائیں؟"

"خوچہ صاب ایک تعویذ اسے بی دیو۔"

"ضرور ضرور... کیسا تعویذ چاہتے ہو؟"

"امارا والد کا شادی ہو جائے۔"

"والد کا شادی..." عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں، صاب۔ اُسے بہت شوق ہے۔"

"اور تمہیں۔"

"ام تو ابی بچہ ہے صاب۔"

"ارے اللہ... ایسی خوفناک مونچھوں والا ایک بچہ ہمیں بھی عطا کرے۔"

"خوچہ صاب... اندر جاؤ... بیگم صاب آ گیا تو..." اور دوسری طرف مڑ گیا۔

عمارت کے کسی گوشے میں غالباً ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ عمران نے تیزی سے آواز کی جانب قدم بڑھائے اور وہیں جا پہنچا جہاں فون تھا۔ گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہیلو... ہاؤ ڈو یو ڈو۔" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"ناشتے کی تلاش میں ہوں۔" عمران نے مُردہ سی آواز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ پیٹ بھر لینے کے بعد تم بے ہوش ہو جاتے ہو۔ اسی لیے کھانا بارہ بجے رات سے پہلے نہیں ملے گا۔"

"میں ناشتے کی بات کر رہا ہوں۔ کھانے کی نہیں۔" عمران روہانسی آواز میں بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔۔۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس نے ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا پھر جیبیں ٹٹول کر چیونگم کے دو پیکٹ نکالے اور انہیں اس طرح دیکھتا رہا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ وہ دن بھر ساتھ دے سکیں گے یا نہیں!

فون کی گھنٹی پھر بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اس بار بھی دوسری طرف سے لیڈی بہرام ہی بول رہی تھی۔

"تم اتنا چیختے کیوں ہو؟" اس نے کہا۔

"اب اس وقت بھوک کے مارے بڑا جا رہا ہوں۔"

"تمہاری بے ہوشی بالکل بکواس تھی۔"

"بے ہوشی کا مطلب ہے خاموشی۔۔۔ اور خاموشی کو کسی بھی طرح بکواس نہیں کہا جا سکتا۔"

"میری بات سنو۔"

"سناؤ!"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اتنے دنوں سے تمہارے ہی لیے بھٹکتی رہی ہوں۔"

"بات پوری ہو گئی یا نہیں؟"

"بات کبھی پوری ہوتی ہے۔"

"اب میری بھی ایک بات سنو۔" عمران نے کہا۔ "آخر تم دونوں الگ الگ کیوں میری مرمت کر رہے ہو! ایک ساتھ مل کر ایک دم قیمہ کر ڈالو نا!"

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ضرور سمجھوں گا۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

"کیا تم واقعی بدھو ہو؟"

"میں اب کچھ بھی نہ کہوں گا۔"

"اچھا میں آ رہی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران ریسیور رکھ کر اس کمرے سے ہٹ آیا۔ پچھلی رات وہ ڈرائنگ روم ہی میں ڈھیر ہو گیا تھا اس لیے پوری عمارت کا جائزہ نہیں لے سکا تھا۔ اس وقت وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ دس منٹ تک ادھر ادھر بھٹکتے رہنے کے بعد وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچا جسے نگار خانہ ہی کہنا چاہیے۔ یہاں تصاویر اور بتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ایک نامکمل تصویر بھی ایزل پر موجود تھی۔

"اوہ۔۔۔ تو تم مصور بھی ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہاں۔۔۔ میں مصور بھی ہوں۔" پشت سے آواز آئی۔ عمران تیزی سے مڑا۔۔۔ لیڈی بہرام دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"اوہ۔۔۔ تمہاری ایک بہت خوب صورت تصویر بناؤں گی۔ بہت عرصے سے ایسے ہی کسی معصوم چہرے کی تلاش تھی جیسا تمہارا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور مجھے اس وقت صرف ایک کپ کافی اور ایک آدھ سینڈوچ کی تلاش ہے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میں نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا ہے۔ ہم یہیں بیٹھ کر ناشتا کریں گے۔ یہاں میں اپنا زیادہ تر وقت اسی کمرے میں گزارتی ہوں۔۔۔" اس نے کہا اور وہ باسکٹ میز پر رکھ دی جسے ابھی تک ہاتھ ہی میں لٹکائے کھڑی رہی تھی۔ عمران بھوکوں کی طرح اس باسکٹ پر ٹوٹ پڑا۔ کافی کا تھرموس تو اوپر ہی نظر آ رہا تھا۔ اس کے نیچے سینڈوچ تھے اور کچھ مٹھائی بھی۔

"میں آرٹسٹوں کا شکار ہوں۔" لیڈی بہرام کہہ رہی تھی۔ "مصوری مجھے سکون بخشتی ہے۔"

"کافی کا ایک کپ اور ایک سینڈوچ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔" عمران بولا۔ "بھوک مجھے نڈھال کر دیتی ہے اور یہ ساری کائنات میری نظروں میں ایک عظیم دلدلی خطہ بن کر رہ جاتی ہے۔"

"اس وقت تو تم بڑے مزے کی باتیں کر رہے ہو۔۔۔ رات بالکل۔۔۔ ایڈیٹ معلوم ہو رہے تھے۔"

"بھوک مجھے بے حد سمارٹ بنا دیتی ہے۔"

"تب پھر اس ناشتے کو اپنی زندگی کا آخری ناشتا تصور کرو۔"

"ارے باپ رے۔"

"بھوکوں۔۔۔ بھوکوں۔۔۔"

"لعنت ہو مجھ پر۔۔۔ میں جب بھی سوچ سوچ کر گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی طرح کباڑا ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بکواس کر رہا تھا میں۔۔۔ بھوک تو اچھے اچھے

دُشمنوں کو پچھاڑ دیتی ہے میں کس کھیت کی مولی ہوں۔"

"اردو کے نہیں مولی کہتے ہیں۔"

"مولی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟"

"فضول بکواس مت کرو۔۔۔ ارے تم نے تو سارے سینڈوچ صاف کر دیے۔ اب میں کیا کھاؤں گی؟"

عمران کافی کا دوسرا کپ لے رہا تھا۔

"ادھر لاؤ تھرماس۔" وہ اس سے تھرماس چھینتی ہوئی چہچہائی۔ "اب مجھے بھوکا ہی رہنا پڑے گا۔"

"تبدیل کر دو اس نگار خانے کو باورچی خانے میں!" عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بکواس۔"

"تصویریں پیٹ نہیں بھرتیں۔ روٹیاں پکانا سیکھئے۔"

"اب خاموش رہو ورنہ۔۔۔" لیڈی بہرام نے کہا۔ اسے صرف کافی ہی پر قناعت کرنی پڑی۔ کھانے کے لیے عمران نے کچھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔

"تھوڑا سا آرٹسٹک سنس بھی ہوتا تم میں تو جواب نہیں تھا تمہارا۔" لیڈی بہرام بولی۔

"یہ کس قسم کا سنس ہوتا ہے؟"

"مطلب یہ کہ کھانے پینے کی طرح گزارا ہو جاتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ آرٹسٹک سنس۔۔۔ واقعی یہ چیز میرے بس کی نہیں۔۔۔ ایک شاعر سے واقف ہوں۔ جو میر تقی کے رنگ میں شاعری کرتے ہیں اور جعفر زٹلی کی شاعری سے متاثر ہو کر نثر لکھتے ہیں۔۔۔ یہ تو ہوا آرٹ۔۔۔ اور غالباً آرٹسٹک سنس اسی کو کہتے ہیں کہ خواتین کے رسائل میں ہمیشہ اپنی نوجوانی کی تصویر چھپواتے ہیں۔"

"ختم کرو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "مجھے تم کریک معلوم ہوتے ہو۔"

"تو پھر میں اپنے بارے میں اسے فیصلہ کر لوں؟"

"کیا مطلب؟"

"سر بہرام کا بھی یہی خیال ہے کہ میں کریک ہوں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔۔۔ گاڑی کا کیا قصہ تھا؟ میں نے سنا ہے تم نے اس شرط پر گاڑی فروخت کی تھی کہ وہ دن میں کم از کم ایک بار اسے دیکھ لینے کی اجازت تمہیں دے دیں۔"

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور مغموم انداز میں سر ہلانے لگا۔

"یہ کیسی شرط ہے؟"

"بس کچھ نہیں۔۔۔ میں اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس

کے رکھ رکھاؤ کے سلسلے میں بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی تھی۔"

"کیوں نہیں بیچنا چاہتے تھے؟"

"بس کیا بتاؤں! لوگ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں لیکن میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"ایک لڑکی میرے ساتھ پڑھتی تھی۔ میرا بڑا خیال رکھتی تھی۔ کہتی تھی تم میرے دوست ہو۔۔۔ مجھے شرم آ گئی سوچ کر۔۔۔ لڑکے کی دوست لڑکی۔ پھر اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور اس کی شادی ہونے لگی تو اس کی ماں نے مجھ سے کہا کہ گاڑی بکوا دو۔ ان غریبوں کا گزارا کیسے ہوتا! میں نے ہی خرید لی۔"

"ہوں۔۔۔ تو تمہیں۔۔۔ اس لڑکی سے محبت تھی؟" لیڈی بہرام ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"پپ۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اور اسی لیے تم روزانہ اس گاڑی کا دیدار کرنا چاہتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"کیا تم خود اس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

"ارے نہیں تو۔"

لیڈی بہرام اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "ہر دل میں ایک کانٹا ہے۔۔۔ ہر دل میں ایک ویرانی ہے۔"

عمران ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"بہت بڑی ٹریجڈی۔۔۔" لیڈی بہرام اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "اس سے بڑی ٹریجڈی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم خود کو نہیں سمجھ سکتے؟"

"یہ۔۔۔ ساری تصویریں آپ کی بنائی ہوئی ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ مغموم آواز میں بولی۔

"اور یہ بُت بھی؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرے ہی بنائے ہوئے ہیں۔۔۔ لیکن سب نہیں۔"

"وہ۔۔۔ کا بُت۔۔۔ عجیب ہے۔۔۔ پہلی نظر میں تو مجھے وہ کوئی بوڑھا آدمی معلوم ہوا تھا۔"

"وہ پلاسٹک کا بنایا گیا ہے۔۔۔ تم اس کے گال چھو کر دیکھو۔۔۔ کتنے نرم ہیں۔۔۔ آئیڈیا میرا ہی تھا۔۔۔ ایک پلاسٹک

موروِنگ فیکٹری نے میرے لیے بنایا ہے... پھر دُوسرا نہ بن سکا... کیونکہ سانچہ میں نے اپنے ہاتھ ہی سے توڑ دیا تھا!"

"دوسری آنکھ کیا ہوئی؟... یا کانا ہی ہے؟"

"عجیب دل چاہتا ہے... دوسری آنکھ بھی لگا دیتی ہوں۔ یہ دیکھو..."

اس نے بلاؤز کے گریبان سے شیشے کی ایک آنکھ نکال کر بت کی آنکھ کے حلقے میں فٹ کر دی۔

"بالکل... جاندار... بالکل جاندار آدمی معلوم ہوتا ہے اور یہ جوگیوں جیسا لباس کیوں پہنا رکھا ہے؟"

"بس یونہی... اس چہرے کے لیے یہی لباس مناسب ہے۔"

"لیکن آپ اس کی ایک آنکھ نکال کیوں لیتی ہیں؟"

"بس یونہی تبدیلی کی خاطر۔"

"جی نہیں... میں سمجھ گیا۔" عمران ہنسنے لگا۔

"کیا سمجھ گئے؟" وہ چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"آپ چاہتی تھیں کہ میں صبح ہی صبح اس کانے بت کو دیکھوں اور میرا پورا دن نحوستوں میں گزر جائے۔"

لیڈی بہرام اس ریمارک پر بسرت مسکرائی تھی۔ کچھ بولی نہیں تھی۔ اس نے دوسری آنکھ پھر نکال کر اپنے بلاؤز کے گریبان میں ڈال لی۔

"اور اگر کہیں گر گئی تو؟"

"نہیں گر سکتی... تم خود دیکھ لو..."

"جی... جی... ہاں... ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔"

عمران بوکھلا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"اوہ... میں بھول گئی تھی..." لیڈی بہرام مسکرائی۔ "مجھے تم سے اتنا قریب نہ ہونا چاہیے کہ تم پھر بے ہوش ہو جاؤ۔"

"جی ہاں... کبھی کبھی سر چکراتا ہے... آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگتا ہے پھر مجھے پتا نہیں چلتا کہ کیا ہوا تھا!"

"تم مجھے بناتے ہو... بنتے ہو۔"

"ارے... ارے... بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"ڈارلنگ ہو تم... بڑے ڈول..."

"ارے باپ رے... آخر کیوں؟"

"لگتے ہو..." وہ جھلا گئی۔

عمران نے اس طرح سر جھکا لیا جیسے سچ مچ گدھا ہی ہو پھر چونک کر بولا۔ "مجھے جانا چاہیے... اب میں جاؤں گا..."

"ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"رات کو ٹھیک نو بجے یہاں پہنچ جاؤ گے۔"

"کیوں؟"

"تم اب میرے بھی دوست ہو گئے ہو نا!"

"لیکن... میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ سر بہرام کی دوستی سے محروم ہو جاؤں۔"

"جب ہم یہاں ملیں گے تو انہیں پتا ہی نہ چلے گا۔ وہاں اگر کبھی سامنا ہو جائے تو اجنبی بنے رہنا۔"

"لیکن... آخر اُن کے اور آپ کے دوست مشترک کیوں نہیں ہیں؟"

"میں کیا جانوں! میں تو اُن کے دوستوں کو پسند کرتی ہوں!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہونہہ... وعدہ کرتے ہو کہ ٹھیک نو بجے یہاں پہنچ جاؤ گے!"

"میں کیا بتاؤں! شام کو وہ شطرنج کی بازی جما لیتے ہیں اور آپ جانتی ہیں کہ شطرنج کی بازی کا کچھ ٹھیک نہیں ہوتا... پتا نہیں کب ختم ہو!"

"میں کچھ نہیں جانتی تمہیں یہاں پہنچنا ہے ٹھیک نو بجے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ بازی جلدی ختم ہو۔"

"اچھا اب جاؤ! [illegible]"

عمران کمرے سے باہر نکلا اور پشت پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا لیڈی بہرام کمرے ہی میں رہ گئی تھی اور اسی نے دروازہ بند کیا تھا۔

⁂

وہ صدر دروازے پر رکا۔ باہر نکلنے پر چوکیدار موجود تھا لیکن اس نے اسے باہر جانے سے روکا نہیں۔ نہایت ادب سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ ٹو سیٹر برآمدے کے قریب ہی کھڑی ملی۔ پھاٹک اس وقت کھلا ہوا تھا۔ ٹو سیٹر سڑک پر آئی تو کچھ ہی دور چلنے کے بعد عقب نما آئینے کے ذریعے عمران کو تعاقب کا علم ہو گیا۔ اس وقت بھی پچھلی رات ہی کی طرح ایک موٹر سائیکل ٹو سیٹر کا تعاقب کر رہی تھی۔ عمران کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے بے پروائی سے سر کو جنبش دے کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ جلد سے جلد کسی ایسی جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں سے کیپٹن فیاض کو فون کر سکتا۔ تلاش کسی پبلک ٹیلیفون بوتھ کی تھی۔ ویسے کسی دکان سے بھی یہ کام ہو سکتا تھا لیکن بعض حالات کی بنا پر اس نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ بالآخر ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ اتفاق سے بوتھ خالی ہی ملا۔ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرتے ہوئے چٹخنی چڑھا دی۔ کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائل کیے۔

دوسری طرف سے اُسی کی آواز آئی۔

"فیاض۔"

"کون ہے؟"

"آہا تو اب تم میری آواز بھی نہیں پہچان سکتے۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہ تمہارے آدمی کیا گھاس کھا گئے ہیں؟"

"کیوں؟"

"ان سے کہو میرے پیچھے موٹر سائیکل دوڑانے سے کیا فائدہ! کسی مرغ کا تعاقب کریں اور داخل حسنات ہوں... ورنہ پھر دُوسری آنکھ..."

"کیا؟"

"دوسری آنکھ۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"تمہارے فائدے کی بات ہے پیارے... فائل ار ریڈ تھری... ٹونٹی ایٹ دیکھو... ایک بار پھر ذہن نشین کر لو... دُوسری آنکھ..."

"مطلب تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"میں جواب دہی کر لوں گا... لیکن تم میری بات بھی تو سنو... فائل ار ریڈ تھری ٹونٹی ایٹ..."

"میرے شعبے کا فائل نہیں ہے۔"

"مطلب یہ کہ اس کے لیے مجھے کس سے گفتگو کرنی ہو گی؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ محکمے کے راز..."

"اوہو... خفا ہونے کی ضرورت نہیں پیارے بھائی! میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کس بات پر ناراض ہو؟"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ یہ سیریز تمہارے ہی سیکشن میں تھا۔"

"اب نہیں ہے۔"

"پھر بتاؤ اب کہاں ہے؟"

"پہلے بتاؤ پچھلی رات تم کہاں تھے؟"

"بہت اچھے، کیا تمہارے آدمیوں نے تمہیں بتایا نہ ہو گا؟"

"میں رحمان صاحب کو مطلع کر رہا ہوں کہ تم نے رات کہاں گزاری تھی؟"

"ضرور... ضرور... اور پھر مجھ کو براہِ راست انہی کے تحت ہے۔"

"جب جانتے ہو تو کیوں میرے کان کھا رہے ہو؟"

"اس زمانے میں جب میں آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹیز تھا یہ فائل میرے مطالعے میں رہ چکا تھا۔ بعض چیزیں جو میرے انٹرسٹ کی تھیں ان کا مختصر سا عکس اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اسی عکس میں دوسری آنکھ بھی شامل ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"فیاض... شہر عنقریب عجیب کا نمونہ بننے والا ہے۔ میری پیشگوئی یاد رکھنا۔ تمہارے لیے دشواریاں ہی دشواریاں ہوں گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"ایسی حرکتیں نہ کرو کہ لیڈی بہرام ہوشیار ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں ہدایات ملی ہوں گی لیکن تم سب کچھ میری ضد میں کر رہے ہو۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی نہیں۔ لیکن ٹھہرو... میں تم سے مل سکوں گا لیکن اسی صورت میں جب تمہارے ساتھ وہ فائل بھی ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی طرح بھی میری دسترس نہیں ہو سکتی اس فائل تک..."

"اچھی بات ہے تو پھر اپنے لیے بے شمار دشواریوں کے منتظر رہو۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"اس کا تعلق میری ذات سے ہرگز نہیں۔ بلکہ دوسری آنکھ..."

"تم کرو بکواس۔" فیاض نے کہا اور ساتھ ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

عمران نے ٹیلیفون کا ریسیور رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے...

باقی آئندہ

اردو ڈائجسٹز ڈاٹ کام